دینی، اصلاحی، تحریکی، ادبی وانقلابی فکروں کا ترجمان

ماہنامہ

سراغ زندگی

SURAAG E ZINDAGI

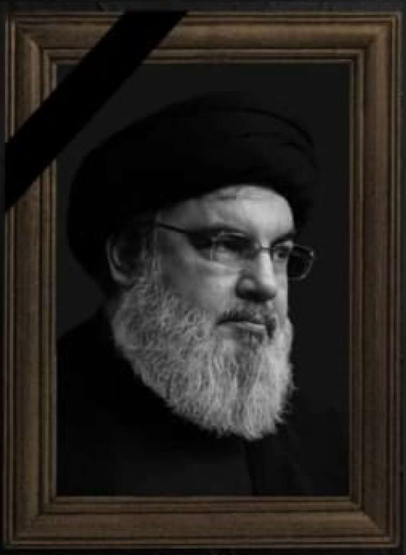

إنا لله وإنا إليه راجعون

ستمبر / ربیع الثانی

قیمت فی شمارہ RS/50

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی، علمی، اصلاحی، ادبی وانقلابی فکروں کا ترجمان

سراغ زندگی

جلد نمبر۱ شمارہ نمبر۲ ستمبر، اکتوبر ۲۰۲۴ ربیع الثانی ۱۴۴۶

مدیر
فرحان وسیم

نائب مدیر
اظفر منصور

معاون مدیر
محمد عادل معاذ

معاون
عبداللہ ثاقب

رابطہ کی معلومات

8738916854

8960960984

6266179521

6388175558

Suraagezindagi@gmail.com

عکس مجلّہ

۱	اداریہ	نائب مدیر	۳
۲	تنقید برائے تعمیر یا......	معاون مدیر	۵
۳	۱۲ ربیع الاول: وفات رسول....	محمد عمران خیر آبادی	۷
۴	فتنوں کے دور میں [قسط سوم]	اظفر منصور	۹
۵	اسلاموفوبیا اور مسلمانوں کا معاشرتی کردار	احتشام احمد دہلی	۱۲
۶	ہندوستان میں مدارس کا مقصد	اظفر منصور	۱۴
۷	تکبر کی تباہ کاریاں	شمائلہ مومناتی	۱۶
۸	تعارف کتب	حفظ الرحمن اعظمی	۱۹
۹	مسئلہ فلسطین........	کلیم اللہ عثمانی، پاکستان	۲۱
۱۰	چمن میں تلخ نوائی میری...	محمد عدنان ریاض	۲۴
۱۱	جاہلیت کا حقیقی مطلب	محمد عمران رامپوری	۲۶
۱۲	خوشنما نعرے اور خواتین کی عزت وبقا؟	سندس کلیم مومناتی	۲۷
۱۳	شادی ساز وفادار بیوی	ابن اللقاء لکھنؤ	۳۰
۱۴	معجزہ، کرامت اور استدراج	منظر خیامی، مہاراشٹرا	۳۴
۱۵	عکس ایام	اظفر منصور	۳۷
۱۶	آپ کے خطوط وپیغامات	جملہ قارئین	۴۰

اداریہ
نائب مدیر

ناموس رسالت ﷺ! بڑھتی گستاخیاں اور ردعمل!

ایک مسلمان کا اس سے بڑھ کر امتحان کچھ نہیں ہوسکتا کہ اس کے سامنے شان رسالت ﷺ میں گستاخی جیسے جرائم انجام دیئے جا رہے ہوں۔اس کی ایمانی غیرت وحمیت کو ملعونوں اور مجرموں کی طرف سے بار بار للکارا لگائی جا رہی ہو۔اس موقع پر ہر مسلمان کا حواس باختہ ہو جانا ایک فطری بات ہوگی، کیونکہ رسول ﷺ کی محبت کو تمام دانا شخص کے لیے سب سے پہلی حیثیت ومنزلت حاصل ہے، والدین ہوں یا بھائی بہن، یا کوئی اور عزیز واقارب سب پر آپ ﷺ کی محبت کو فوقیت دینا ہی دراصل ایمان کامل کی علامت ہے، لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده و ولده و الناس أجمعين۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آنحضرت ﷺ کی شخصیت کو چار حصوں (تاریخیت، تکمیلیت، جامعیت، عملیت) میں تقسیم کیا ہے، اور مدلل انداز میں یہ واضح کردیا کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی محض ایک وقت، مذہب، ملک یا طبقہ کے لیے خاص نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ ایک عالمگیر شخصیت تھے، ایسی عالمگیریت جس کی شہادت قرآن مجید ان الفاظ دیتا ہے "وما ارسلنك الا رحمة للعالمين"۔

اسی طرح ایک عظیم محقق مسٹر رابرٹ نے ارادہ کیا کہ دنیا کی سو عظیم ترین واکمل ترین شخصیت کا تعارف پیش کریں گے، یہ ان کا اپنا اور ذاتی خیال تھا، اسے لکھنے کے لیے کسی شخص یا ادارے کا کوئی جبر بھی نہیں تھا، مسٹر کو اختیار تھا کہ وہ جس حساب سے چاہیں، جسطرح سے چاہیں، جس کو چاہیں، جہاں چاہیں وہاں رکھ دیں، ظاہر ہے اس عظیم کام کے لیے انہیں باقاعدہ تلاش وجستجو کی ضرورت تھی، چنانچہ پوری تیاری اور تگ ودو کے بعد جب سو عظیم شخصیات کی فہرست سازی مع تعارف کا پروجیکٹ دنیا کے سامنے پیش کیا تو عقلیں حیران وششدر رہ گئیں، بہتوں نے گمان کر رکھا ہوگا کہ مسٹر رابرٹ عیسائی ہیں تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اول مقام دیں گے، مگر انہوں نے صداقت ودیانت کا مظاہرہ کیا، اور حضرت محمد ﷺ کو اپنی فہرست میں پہلا مقام دیا، کیونکہ آپ ﷺ کی شخصیت سماج ومعاشرے کے ایک ایک پہلو کی رہنمائی قولی وعملی دونوں انداز میں کرتی ہے۔

مگر ان سب کے باوجود کیا بات ہے کہ کبھی یوروپین ممالک میں تو کبھی خود اپنے برصغیر ہندوپاک میں ایسی عظیم واعلیٰ ترین شخصیت کے خلاف بعض لوگ کچھ بھی تبصرہ کرنے کی جسارت کر لیتے ہیں، ڈنمارک، اٹلی، ناروے وغیرہ سے اظہار رائے کی آزادی کے نام پر جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اب ہندوستان میں بھی خوب پھل پھول رہا ہے، کملیش تیواری، نپور شرما کے علاوہ اب رام گیری مہراج اور یتی نرسمہانند سرسوتی جیسے بے شمار حقیر وکم ترین نیز لعین ترین شخص یہاں بھی ہر گلی ونکڑ میں تھوک کے بھاؤ دستیاب ہیں، ان لوگوں کے اندر آخر یہ جسارت آتی کہاں سے ہے؟ اس سلسلے میں یہ چند وجوہات ہیں جس کے سبب ہمارے ملک ومعاشرے میں اہانت رسول ﷺ کا مسئلہ دراز ہوتا جا رہا ہے۔

مذہبی تعصب: بعض افراد اور گروہ اسلام اور مسلمانوں سے پوری دنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً تعصب رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ایسے اقدامات کرتے ہیں جو اہانت رسول ﷺ کا باعث بنتے ہیں۔

اسلاموفوبیا: دنیا میں بڑھتا ہوا اسلاموفوبیا، جہاں اسلام کو انتہا پسند اور متشدد مذہب کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، مسلمانوں کے خلاف نفرت کو

بڑھاوا دیتا ہے۔

سیاسی اور سماجی عوامل: ملک میں بعض سیاسی، سماجی و مذہبی شخصیت مذہب اسلام و پیغمبر ﷺ کی شخصیت کو ایجنڈے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور اپنے مفاد کے لیے مسلسل نشانہ بناتے ہیں۔

میڈیا اور سوشل میڈیا کا غلط استعمال: جدید میڈیا اور سوشل میڈیا پر بغیر کسی سنسر شپ کے آزادی اظہار کی آڑ میں اہانت رسول ﷺ جیسے واقعات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

جہالت و نادانی: اہانت رسول ﷺ کا جرم سرزد ہونے کی ایک بڑی وجہ اللہ کے رسول ﷺ کی ذات وصفات سے ناواقفیت ہے، یہ ناواقفیت کبھی جہالت پر بھی مبنی ہوسکتی ہے، اور کبھی نادانی وطغیانی پر۔

آزادی اظہار رائے: اسلام ومسلمان سے حسد ودشمنی رکھنے والی بعض طاقتیں اظہار رائے کی آزادی کا مکھوٹا پہن کر اللہ کے رسول ﷺ کی ذات میں گستاخانہ تبصرے کرتے ہیں۔

ظاہر ہے جب کسی مذہب کے خلاف زبان درازی ہوگی تو اس ردعمل بھی سامنے آئے گا، تو اس سلسلے میں ہمارا ردعمل کیا ہو چند باتیں پیش ہیں۔

احتجاج: ملک میں مسلمان سڑکوں پر نکل کر پرامن چند جگہوں پر احتجاجی خیمے لگائیں، اور حکومت کو وارن کریں کہ جب تک مجرم پر متعینہ قانون کے تحت کاروائی نہیں ہوجاتی تب تک کوئی ہمارے خیمے نہیں ہٹیں گے۔

سوشل میڈیا کمپینز: اس موقع پر ہم سوشل میڈیا کا بھی استعمال کر سکتے ہیں، کہ اس کے مختلف پلیٹ فارم کا استعمال کرتے ہوئے اہانت رسول ﷺ کے عالمی مہم چلائیں، تاکہ گستاخی کا جرم بند ہو اور سابقہ مجرمین پر کاروائی ہو۔

قانونی کارروائی: آئین ہند کی روشنی میں ہم 295(A) کے تحت کاروائی کی مانگ کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ وہ دفعہ ہے جس کی وجہ سے کسی بھی مذہبی شخصیت، عقائد وعبادات کو جان بوجھ کر نادانستہ نقصان وٹھیس پہنچانا قابل گرفت جرم ہے۔

اقتصادی بائیکاٹ: ردعمل کے طور پر بائیکاٹ بھی ایک نہایت کارآمد ہتھیار ہے، ابھی فلسطین واسرائیل جنگ میں بھی اسی بائیکاٹ مہم کی وجہ سے اسرائیلی کمپنیوں کو کافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس لیے اس طریقہ کار کو بھی ہم اختیار کر سکتے ہیں۔

دعوت اور تبلیغ: یہ طریقہ بھی نہایت اہم ہے، اس کی وجہ سے معاشرے میں تاخیر ہی صحیح مگر دیرپا پیغام جائے گا، لوگوں کے درمیان سے غلط فہمی دور ہوگی، اور انہیں اسلام کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں ایک متوازن ردعمل کی ضرورت ہے، بعض اوقات شدید غصے اور جذبات میں آکر مسلمان ایسے ردعمل دیتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کی سیرت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اسلام ہمیشہ امن، تحمل اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور نبی ﷺ نے خود بھی مخالفت کا سامنا صبر اور حکمت سے کیا، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے واقعات کا سامنا پرامن اور تعمیری طریقے سے کریں، تاکہ اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے آئے اور نفرت کے ماحول کو ختم کیا جا سکے۔

☆☆☆

تنقید برائے تعمیر یا تنقید برائے تخریب

محمد عادل معاذ بہرائچی

عام طور جب بھی کوئی اہم مسئلہ پیش آتا ہے، کوئی نئی چیز سامنے آتی ہے، کوئی بات نئے انداز سے پیش کی جاتی ہے یا کوئی نئی فکر نیا فلسفہ پیش کیا جاتا ہے تو اسکے موافق اور مخالف دونوں طرح کے نظریے سر اٹھاتے ہیں، لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، ایک فریق اُس نئے مسئلہ سے اتفاق ظاہر کرتا ہے، اور اسکی حمایت میں گردن جھکا دیتا ہے، دوسرا فریق اسکی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے، جا وبے جا تنقید کرتا ہے، یہ تنقید بسا اوقات اصولی نہ ہو کر ذاتی نوعیت بھی اختیار کر لیتی ہے، اور اسکے اثرات بھی اسی نوعیت کے ہوتے ہیں، سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا، ابراہیمؑ کو نار نمرود میں کودنا پڑا، عیسیٰؑ کو بظاہر سولی پر چڑھنا پڑا، اور اسکی ہزاروں مثالیں تاریخ میں مل جائیں گی۔

کوئی بھی چیز بیک دفعہ ظہور میں نہیں آجاتی، کسی بھی چیز کے ظاہر ہونے میں زمان ومکان اور مزاج وطبیعت کے عناصر کا بڑی حد تک دخل ہوتا ہے، اور کسی بھی نئی بات کے اظہار کے پیچھے کچھ نفسیاتی عوامل کارفرما ہوتے ہیں، وہ عوامل معاشی ومعاشرتی، قومی وطنی فکری وتہذیبی، علمی وتمدنی ہر طرح اور ہر قسم کے ہوسکتے ہیں، ہر چیز کے پیچھے کوئی نہ کوئی علت چھپی ہوتی ہے۔

انسان شعوری طور پر اساتذہ اور کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے لیکن لاشعوری طور پر انسانی ذہن ودماغ میں اسکے مشاہدات و تجربات اور آس پاس کے مزاج و ماحول کے اثرات منتقل ہوتے رہتے ہیں، پھر یہ تمام مشاہدات وتاثرات اسکے ذہن میں نظریے بناتے ہیں، انسان اپنے علم کے مطابق ان پر غور کرتا ہے، بسا اوقات کسی نقطہ پر اسکی نظر ٹک جاتی ہے، کسی بات پر اسکی رائے ٹھہر جاتی ہے، اور اسے شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ اسے برملا اظہار کرتا ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہئے کہ انسان جس چیز کو حق سمجھے اسکا اظہار کرے۔

کسی بھی نقطہ نظر کے سامنے آنے کے بعد جو مرحلے پیش آتے ہیں، جو ریئکشن سامنے آتا ہے وہ ایک طرح کا نہیں ہوسکتا، کیونکہ ہر انسان کے سوچنے سمجھنے میں بنیادی طور سے اسکے شخصی میلانات، اسکے ذاتی تجربات ومشاہدات کارفرما ہوتے ہیں، اور دو لوگوں کے مزاج وطبیعت میں فرق ہونے کی وجہ سے انکے نقطہ نظر میں اختلاف ہوسکتا ہے، انکی رائیں مختلف ہوسکتی ہیں، یہاں تک کہ اصول میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے، اور یہیں سے نظری نقطہ تنقید جنم لیتا ہے، ایک شخص کے وسائلِ علم ومعلومات کے محدود ہونے کی وجہ سے اس کی معلومات کا دائرہ بھی محدود ہوسکتا ہے، جبکہ دوسرے شخص کے ذرائع تعلیم کے وسیع ہونے کی وجہ سے معلومات کا دائرہ بھی وسیع ہوسکتا

ہے،اور پھر یہ تو مسلمہ اصول ہے کہ ’’وفوق کل ذی علم علیم‘‘۔

ایک انسان جب کوئی بات کہتا ہے تو اسکا ایک خاص سیاق وسباق اور پس منظر ہوتا ہے،ایک خاص ماحول اور فضا ہوتی ہے، جس کے پیشِ نظر وہ ایک نقطہ نظر پیش کرتا ہے، دوسرے لوگوں کو وہ بات غلط اور موقع ومحل کی مناسبت سے نامناسب لگتی ہے اور یہ عین ممکن ہے، لہٰذا اس چیز کولیکر ایک جماعت تنقید کرنے لگے اور فتوی بازی پر اتر آئے یہ بھی عقل میں آنے والی بات ہے۔لیکن کیا ہر نا سمجھ میں آنے والی بات پر تنقید، اور ہرنئی چیز پر اعتراض ضروری ہے؟نہیں،ایک شخص دوسرے کی رائے سے اپنے ذاتی حدود تک اختلاف کا تو حق رکھتا ہے لیکن برملا تنقید کے کچھ اصول ہوتے ہیں، جن کا لحاظ رکھنا اور انہیں پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے، ورنہ وہ تنقید نہیں تخریب کہلائے گی۔ تنقید کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلہ کے مالہ وما علیہ پر غور کرے، غیر جانبدار ہوکر سوچے، اس غور وفکر کے درمیان گو کہ وہ اپنے شخصی میلانات اور مزاج وطبیعت کے اثرات سے بالکلیہ آزاد تو نہیں ہوسکتا تاہم حتی الامکان ہر طرح منفی جذبات سے بالاتر ہوکر کوئی رائے قائم کرے اور کسی بھی قیمت پر عدل وانصاف کا دامن نہ چھوٹنے دے، خواہ معاملہ اپنی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ جارہا ہو۔

یہ ضروری یہ ہے کہ تنقید کرنے والے شخص کے پاس پیش نظر مسئلہ سے متعلق گہرا علم ہو، اسکی نظر سامنے والے شخص سے زیادہ وسیع ہو، مسئلہ کے پس منظر وپیش منظر سے مکمل واقفیت ہو، اسکے کے حالات وتقاضے کا بھرپور علم ہو، تنقید کی بنیاد صرف بدگمانی پر نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہرطرف کے دلائل کو دیکھے سمجھے اور ان کا گہرائی سے جائزہ لے، اور دوطرفہ دلائل کا موازنہ کرے، اسکی تمام جزئیات پر غور کرے۔تنقید کا مقصد تسکینِ نفس، اپنی شان کا اظہار، دوسرے کی تحقیر وتذلیل نہ ہوکر محض اصلاح اور صحیح نقطہ نظر کا اظہار ہو، صرف خامیوں کی نشاندھی نہ ہو بلکہ مثبت پہلوؤں کا اعتراف اور درست تجاویز کا اظہار بھی ہو، اس میں کسی طرح کا عناد، حسد یا دشمنی کا دخل نہ ہو، نیت صاف ستھری ہو، نفس پرستی سے آزاد ہو، ادب واحترام اور اخلاق کا لحاظ رکھے۔

جب تنقید مذکورہ تمام اصولوں کے مطابق ہوتو وہ تنقید تعمیری ہوگی، اسکے مثبت اثرات مرتب ہونگے، افتراق وانتشار کے بجائے صحیح صورت حال اور درست نقط ؟ نظر سامنے آئے گا، اور اگر تنقید تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر کی جائے وہ تنقید نہیں تخریب کاری اور ہوس پرستی کھلائے گی، اس سے کسی بھی طرح مثبت اثرات کی توقع نہیں ہے، اس سے صرف انتشار اور بدعنوانی پیدا ہوگی، اتحاد پارہ پارہ ہوگا۔اختلاف کو ہوا ملے گی۔

اس لیے جس طرح ضروری ہے کہ ایک مثبت قدم، صالح انقلاب، درست فکر اور جدید فلسفہ کا استقبال ہو، اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کی جانب سے مسلمات کے خلاف کوئی بات سامنے آئے، یا کوئی ایسی نئی بات کہی جائے جو امت کے متفقہ موقف کے خلاف ہو اس پر کھل کر تنقید کی جائے مگر اس تنقید میں اصول وآداب کی رعایت رکھی جائے۔اور تعمیری تنقید کو خواہ وہ فتوے کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو گوارا کیا جائے، اسکے لیے گنجائش رکھی جائے۔اور دونوں کو اپنے اپنے میدانوں میں اپنا کام کرنے دیا جائے۔

☆☆☆☆

۱۲/ ربیع الاول: وفات رسول ﷺ کا المناک دن!

محمد عمران خیرآبادی

ہجرت کے گیارہویں سال ربیع الاول کے مہینے میں حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت درد میں مبتلا ہو گئے، (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) چنانچہ اللہ تعالی نے آپ کو (مزید زندہ رہنے یا موت دونوں میں) اختیار دیدیا! سو آپ نے اپنے رب سے ملاقات کو اختیار فرما لیا اور کہا: اے اللہ! اپنی اعلی رفاقت نصیب فرما! اے اللہ! اپنی بلند و بالا رفاقت عطا فرما!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا وقت آ گیا تو آپ نے وصیت کی اور دنیا والوں کو الوداع کہہ دیا!

آپ کی جدائی سے دنیا سیاہ اور جگر چھلنی ہو گئے!

اے اللہ! کتنی بڑی ہولناکی تھی! اور کتنا بڑا سانحہ تھا! اور کتنا دشوار گزار پڑاؤ! اور کتنے بوجھل لمحات!

اور کیوں نہ ہو!؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کیساتھ دنیا سے وحی کا سلسلہ جو منقطع ہو چلا تھا اور آسمان تاریک جو ہو چکی تھی!

چنانچہ مسلمان مضطرب ہو گئے، بعض دہشت میں پڑ گئے، بعض غشی کھا کر گر پڑے، بعض بیٹھ گئے تو کھڑے ہونے کی طاقت نہ جٹا سکے، بعض کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور وہ بولنے کی طاقت نہ رکھ سکے! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " کہ ایک وہ دن تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری ہوئی تھی اور پورا مدینہ روشن ہو گیا تھا اور ایک آج کا دن کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس سے سب کچھ تاریک پڑ گیا"!

لیکن یہ سنت الہی ہے! کیونکہ بقول شاعر:

الموتُ لا والِداً یُبقی وَلا وَلَدا
وَلا صَغیراً وَلا شَیخاً وَلا أَحدا
کانَ النَبِیُّ فَلَم یَخلُد لِأُمَّتِهِ
لَو خَلَّدَ اللَهُ حَیّاً قَبلَهُ خَلَدا

لِلمَوتِ فینا سِهامٌ غَیرُ مُخطِئَةٍ
مَن فاتَهُ الیَومَ سَهمٌ لَم یَفُتهُ غَدا
ماضَرَّ مَن عَرَفَ الدُنیا وَغِرَّتَها
أَلّا یُنافِسَ فیها أَهلَها أَبَدا

ترجمہ:- موت نہ تو والد کو چھوڑتی ہے اور نہ ہی بیٹے کو! نہ چھوٹے کو اور نہ بوڑھے کو اور نہ ہی کسی کو! لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا گئے اور آپ ابدی زندگی نہ پائے کیونکہ اس سے پہلے بھی لوگ وفات پا چکے تھے اور اگر اللہ نے آپ سے قبل کسی کو ہمیشگی

والی زندگی دی ہوتی تو آپ کو بھی ہمیشہ ہمیش والی زندگی سے نوازتا! موت کی ہمارے لئے نیزے ہیں جو کبھی خطا نہیں کرتیں! جسے آج وہ تیر شکار نہ کرے تو آئندہ کل ضرور کرے گی، جس نے دنیا اور اس کے چھلاوے کو سمجھ لیا وہ کبھی دھوکہ نہیں کھائے گا، وہ اس طرح کہ اس دنیا میں رہنے والا شخص کبھی بھی ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا!

قارئین!

12/ ربیع الأول یعنی یوم وفات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وہ دن ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مالک حقیقی سے جا ملے تھے! وحی الٰہی کا سلسلہ تھم گیا تھا!

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا! غرضیکہ رفقائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم غموں سے نڈھال ہو گئے تھے اور ایک ہم ہیں کہ اس دن یعنی یوم وفات پر خوشیاں مناتے ہیں، شور و شرابے میں مست ہوتے ہیں، جشن عید میلاد النبی نام کی تیسری خودساختہ عید ایجاد کر کے بدعات و خرافات کا بازار گرم کرتے ہیں جو کہ سراسر نبوی تعلیمات کی مخالفت ہے جس سے بچنا ایک حقیقی محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ازحد لازمی ہے!

اللہ رب العالمین سے دعا ہیکہ مولی کریم ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی روشنی میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، دنیا کی رنگینیوں پر آخرت کی ابدی نعمتوں کو ترجیح دینے کی توفیق مرحمت فرمائے؟ نیز سنت سے محبت اور بدعت سے اجتناب کرنے کی توفیق بخشے! آمین!

☆☆☆☆

سراغ زندگی استقامت ایوارڈ

جملہ قارئین کے علم میں یہ بات لاتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے کہ ماہنامہ سراغ زندگی لکھنؤ اپنے مستقل مضمون نگاروں کی استقامت ایوارڈ کے ذریعے حوصلہ افزائی کرتا ہے، اس سلسلے میں کئی ماہ سے باقاعدہ کوئی اعلان نہیں ہوا تھا، البتہ تمام مستقل مضمون نگاروں کی فہرست سازی ہوتی رہی ہے۔ اب عنقریب ان شاءاللہ آئندہ ماہ کے شماروں میں ایوارڈ یافتگان کے ناموں کا اعلان کیا جائے گا۔ [ادارہ۔]

قسط سوم

فتنوں کے دور میں رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں

اظفر منصور

علامت کی لغوی واصطلاحی معنی وتعریف!

عربی واردو زبان میں مشترکہ مستعمل اس لفظ کا اصل مادہ عَلَماً ہے، لغت میں جس کے معنی شناخت کا نشان لگانا، اشارہ کرنا، پتا بتانا، نشان وغیرہ ہے۔

عربی زبان میں علامت کے معنی میں کئی الفاظ ہیں، جیسے اَشراط (جمع شَرَط) قرآن میں ہے

فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ (سورة محمد / ۸۱)

(ترجمہ: اب کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آجائے؟ اس کی علامات تو آ چکی ہیں۔ جب وہ خود آجائے گی تو ان کے لیے نصیحت قبول کرنے کا کونسا موقع باقی رہ جائے گا؟) اسی طرح قرآن مجید میں ہی علامت کے معنی میں آیات، اعلام، الساعة، امارات جیسے الفاظ بھی آئے ہیں۔

اصطلاح شرع میں علامت (symbol) کہتے ہیں ان خاص چیزوں کو جس کے بارے میں اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہو، یا کسی بھی طرح کی کوئی خبر دی ہو، مثلاً ولادت رسول ﷺ کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے تقریباً تمام گذشتہ آسمانی کتابوں میں یہ پیشین گوئی دی کہ ایک آخری نبی آئے گا، جس کی پیٹھ پر ایک مہر (مہر نبوت) کا نشان ہوگا، وہ مکہ میں پیدا ہوگا، صدقہ نہیں کھائے گا وغیرہ وغیرہ، چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپؓ کئی دنوں کی پر مشقت تحقیق کے بعد رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور مہر نبوت دیکھ کر پہچانا۔ (منثورات)

اسی طرح بحیرہ راہب کا بھی مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوطالب کے ساتھ آنحضرت ﷺ شام کے سفر تھے تو اس نے آپ کے اندر نبوت کی علامات دیکھیں اور تسلیم کیا۔ (سیرت النبی ﷺ)

علامت کی قسمیں!

مجموعی طور پر علامت کی تین قسمیں بنتی ہیں

(۱) علامات بعیدہ (قسم ظہر وانقضی۔ وہ فتنے اور نشانیاں جو ظاہر ہو کر گذر چکی ہیں)

(۲) علامات متوسطہ (قسم ظہر ولم ینقض بل لا یزال یتزاید ویتکامل۔ وہ علامات جو ظاہر تو ہو چکی ہیں لیکن ختم نہیں ہوئیں، بلکہ اُن میں وقت کے ساتھ ساتھ مستقل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور وہ علامتیں اپنے کمال کو پہنچ رہی ہیں۔ یہاں تک کہ جب یہ اپنی انتہاء کو

پہنچ جائیں گی تو تیسری علامات جو بالکل عین قیامت کے قریب کی بڑی بڑی علامتیں ہیں وہ ظاہر ہو جائیں گی۔)

(۳)علامات قریبہ(ھی الامارات القریبة الکبیرة التی تعقبہا الساعة۔ وہ بڑی علامات جو پے در پے واقع ہوں گی، جن کے فوراً بعد ہی قیامت وقوع پذیر ہو جائے گی۔ (الاشاعة (اشراط الساعة: 16)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تقسیم ذکر کی ہے: لَـكِـنَّهُ عَلَى أَقْسَامٍ أَحَدُهَا مَا وَقَعَ عَلَى وَفْقِ مَا قَالَ وَالثَّانِي مَا وَقَعَتْ مَبَادِيهِ وَلَمْ يَسْتَحْكِمْ وَالثَّالِثُ مَا لَمْ يَقَعْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَكِنَّهُ سَيَقَعُ (فتح الباری:13/83)

اب تینوں قسم کے فتنوں کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔

علامات بعیدہ

(وہ فتنے جو ظاہر ہو چکے ہیں)

حضرت عمر بن خطابؓ کی شہادت کا فتنہ!

حضرت سیدنا حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بلند آواز میں سوال کیا کہ تم میں سے کس کو فتنہ کے بارے میں حدیث یاد ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے (بالکل اسی طرح یاد ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر بیان کیجئے، تو میں نے کہا کہ آدمی کا وہ فتنہ جو اس کی بیوی اور اس کے مال اور اولاد میں ہوتا ہے نماز، روزہ، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) اس کو مٹا دیتا ہے۔ امیر المؤمنین عمر اللہ نے کہا کہ میں یہ نہیں پوچھنا چاہتا بلکہ وہ فتنہ جو دریا کی طرح موجزن ہوگا۔ سیدنا حذیفہؓ نے کہا: اس فتنہ سے آپ کو کچھ خوف نہیں کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ امیر المؤمنین عمر علی لینڈ نے فرمایا اچھا: وہ دروازہ توڑ ڈالا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ سیدنا حذیفہؓ نے کہا کہ توڑ دیا جائے گا۔ پھر امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر (وہ دروازہ) کبھی بند نہ ہوگا۔ حضرت حذیفہ سے پوچھا گیا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازے کو جانتے تھے؟ انھوں نے کہا ہاں! اسی طرح جانتے تھے جیسے تم جانتے ہو کہ دن کے بعد رات ہوگی، پس ان سے دروازے کا مطلب پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ دروازہ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ، قَالَ: سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ؟ قُلْتُ: أَنَا كَمَا قَالَهُ، قَالَ: إِنَّكَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيءٌ، قُلْتُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ، تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ، قَالَ: لَيْسَ هَذَا أُرِيدُ، وَلَكِنِ الْفِتْنَةُ الَّتِي تَمُوجُ كَمَا يَمُوجُ الْبَحْرُ، قَالَ: لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا، قَالَ: أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ: يُكْسَرُ، قَالَ: إِذًا لَا يُغْلَقَ

أَبَدًا، قُلْنَا: أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَمَا أَنَّ دُونَ الْغَدِ اللَّيْلَةَ ، إِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيثٍ لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ، فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ، فَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: الْبَابُ عُمَرُ .(صحیح بخاری/525)

چنانچہ ایسا ہی ہوا ۲۳ھ میں دروازہ توڑ دیا گیا اور حضرت عمر بن خطابؓ شہید کر دیئے گئے، شہادت کے بعد میں لوگوں میں زبردست فتنے کا شور برپا ہوا، اور یہ شہادت افتراق وانتشار اور فتنے کا سبب بن گئی۔ (جاری.........)

غزل

تیری نینوں کو دیکھا جب سے جاناں
مجھے الفت ہوئی ہے دل لگی سے
تیری عزت پہ انگلی جو اٹھائے
مجھے نفرت ہے ایسے ہر کسی سے
میں گر چہ ہوں گناہوں کا مجسم
میری امید بندھی ہے تجھی سے
تیرے پیروں کا ہونا خوں میں لت پت
نجات ہم کو ملی ہے گمرہی سے
تیرے اعداء سے ہیں جنکے مراسم
انہیں حاصل ہوا کیا دوستی سے
یہ جان ومال، سب قربان تجھ پر
سوا تیرے! نہیں مطلب کسی سے
دلِ مرسل تو بس یہ چاہتا ہے
بلا مجھکو تو اپنے در خوشی سے

مرسلین احمد مرسل

احتشام احمد دہلوی

اسلاموفوبیا اور مسلمانوں کا معاشرتی کردار

آج کے دور میں اسلاموفوبیا ایک سنگین مسئلہ بن چکا ہے، جو نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ پوری دنیا کے امن اور استحکام کے لیے ایک چیلنج ہے۔ اسلاموفوبیا سے مراد اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پھیلائی جانے والی منفی رائے اور غلط فہمیاں ہیں، جو میڈیا، سیاسی مفادات، اور مخصوص واقعات کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ نائن الیون کے بعد دنیا بھر میں مسلمانوں کو دہشت گردی اور انتہا پسندی سے جوڑنے کی کوششیں تیز ہوگئیں، جس سے اسلاموفوبیا کو مزید فروغ ملا۔
میڈیا کا کردار اس مسئلے میں انتہائی اہم ہے۔ اکثر مغربی میڈیا نے اسلام کو ایک خطرناک مذہب کے طور پر پیش کیا، جس کے ماننے والے شدت پسند اور امن دشمن ہیں۔ یہ تصویر دنیا کے سامنے اس قدر شدت سے پیش کی گئی کہ بہت سے لوگ بغیر سوچے سمجھے اسلام سے خوفزدہ ہوگئے۔ سیاسی مقاصد کے لیے بھی اسلاموفوبیا کو استعمال کیا گیا تاکہ عوام میں خوف پیدا کرکے مخصوص مفادات حاصل کیے جاسکیں۔

اسلام کا حقیقی پیغام!

اسلام کا حقیقی پیغام امن، انصاف اور بھائی چارے پر مبنی ہے، جسے اکثر غلط طریقے سے پیش کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اس بات کی گواہ ہیں کہ اسلام ہمیشہ انسانی حقوق، امن، اور عدل کی حمایت کرتا ہے۔ قرآن اور حدیث میں امن، محبت، اور دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بارہا تاکید کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "تم میں سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کے لیے نفع مند ہو۔" لیکن بدقسمتی سے، موجودہ دور میں بعض عناصر اسلام کو ایک خطرہ کے طور پر پیش کررہے ہیں۔

اسلاموفوبیا کا پھیلاؤ اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ شاید ہم خود اپنے دین سے دور ہو چکے ہیں۔ ہم نمازوں، روزوں، اور دیگر عبادات میں غفلت برت رہے ہیں اور اپنے دین کی تعلیمات سے بے خبر ہیں۔ مسلمانوں کا فخر ان کی شریعت اور اسلامی اقدار میں ہے، لیکن جب ہم ان اقدار سے منہ موڑ لیتے ہیں اور مغربی فیشن اور کلچر کو اپنا لیتے ہیں تو پھر ہماری شناخت مٹنے لگتی ہے۔ ہم نے اپنی نسلوں کو مغربی طرز زندگی اپنانے کی ترغیب دی اور جب کوئی ہمارے دین یا رسول

ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو ہماری زبانیں خاموش ہو جاتی ہیں۔

مسلمانوں کا معاشرتی کردار!

اسلاموفوبیا کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو اپنے معاشرتی کردار کو درست انداز میں پیش کرنا ہوگا۔ ایک مسلمان کا کردار صرف عبادات تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اسے اپنے عمل سے معاشرے میں ایک مثبت اور مفید فرد ثابت ہونا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں یہ مثالیں ملتی ہیں کہ آپ نے ہمیشہ انصاف، امن، اور دوسروں کی مدد کو ترجیح دی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں بھی اسی عملی اسلام کی بہترین مثالیں ہیں۔

آج کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نہ صرف دینی تعلیمات پر عمل کریں بلکہ جدید علوم، سائنس، اور ٹیکنالوجی میں بھی اپنا کردار ادا کریں۔ مسلمان علماء، سائنسدان، اور مفکرین نے تاریخ میں دنیا کو ان گنت علمی اور سائنسی خدمات فراہم کی ہیں۔ مگر افسوس کہ آج ہم ان میدانوں میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہمیں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کو دکھانا ہوگا کہ اسلام ایک ترقی پسند دین ہے، جو علم، تحقیق، اور انسانیت کی خدمت کا درس دیتا ہے۔

اسلاموفوبیا کا مقابلہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

اسلاموفوبیا کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو اجتماعی اور انفرادی سطح پر کام کرنا ہوگا۔ سب سے پہلے ہمیں اپنے کردار کو سنوارنا ہوگا تاکہ ہم عملی طور پر اسلام کی تعلیمات کا نمونہ پیش کرسکیں۔ ہمیں معاشرے میں امن، محبت، اور اخوت کو فروغ دینا ہوگا تاکہ غیر مسلموں کو اسلام کے حقیقی چہرے سے روشناس کرایا جاسکے۔

مزید برآں، ہمیں اپنی اگلی نسلوں کو دینی اور دنیاوی تعلیم دونوں میں بہترین بنانا ہوگا۔ تعلیمی ادارے، مساجد، اور اسلامی تنظیمیں مل کر مسلمانوں کو اسلامی اقدار کے ساتھ ساتھ جدید دنیا کی ضروریات کے مطابق تیار کریں۔ سوشل میڈیا اور دیگر پلیٹ فارمز پر اسلام کا مثبت پیغام پھیلایا جائے تاکہ اسلاموفوبیا کی جڑوں کو کاٹا جاسکے۔

نتیجہ!

اسلاموفوبیا ایک بڑا چیلنج ہے، لیکن اگر مسلمان اپنے دین کو صحیح طور پر سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں اور اپنے کردار کو درست کریں، تو اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں دنیا کو دکھانا ہوگا کہ اسلام امن، محبت، اور انسانیت کا دین ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے، ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے معاشرتی کردار کو بہتر بنائیں اور دنیا میں اسلام کا حقیقی پیغام عام کریں۔

☆☆☆

تلخ تلخ سفر

ہندوستان میں مدارس کا مقصد کیا ہے؟

یہ مضمون ہندوستان میں بڑھتی اہانت رسول ﷺ کے ضمن میں لکھا گیا ہے

اظفر منصور

یہ بات بڑے زور وشور اور شان وشوکت سے کہی جاتی ہے کہ مدارس دین کے قلعے ہیں، اس میں بہت حد تک حقیقت بھی ہے۔ کیونکہ مدارس نے اپنے قیام کے وقت سے ہی باطل کی راہوں کو سدباب کرنے کا فریضہ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے، مگر آج نہ جانے کیوں یہ سوال میرے ذہن میں بار بار گردش کر رہا ہے کہ موجودہ ہندوستان میں مدارس کا مقصد کیا ہے؟ اس کے جواب میں عام طور پر ہمیں کئی باتیں ملتی ہیں مثلاً مدارس کا مقصد اسلام کے پیغامات کی نشرو اشاعت اور حفاظت۔ ایسے فضلاء تیار کرنا جو دین اسلام کے لیے محنت اور قربانی کا جذبہ رکھتے ہوں۔ قرآن واحادیث کے مفاہیم کو گھر گھر تک پہنچانا وغیرہ وغیرہ۔ مگر کیا مدارس اسلامیہ آج اپنے ان مقاصد میں کامیاب ہے؟ تو آپ اس کا جواب لازمی یہی دیں گے کہ ہاں مدارس اسلامیہ اپنے ان مقاصد میں کامیاب ہے، آج ہر گاؤں وقصبہ، محلّہ، خاندان بلکہ گھر میں کئی کئی لوگ مدارس سے فارغ التحصیل ہیں، اور دین اسلام کے فروغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

مگر اس موقع پر ہم آپ کے اس جواب کی مخالفت کرتے ہوئے کہیں گے کہ مدارس اسلامیہ موجودہ دور میں اپنے مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہیں، کیونکہ آج پورے ملک میں اہانت رسول ﷺ کا سلسلہ چل پڑا ہے، اور سارے مدارس و جامعات خاموش ہیں، آئے دن کوئی نہ کوئی بدبخت آتا ہے اور ہفوات بک کر چلا جاتا ہے، اور اللہ ورسول کے نام پر چل رہے مدرسوں کو معلوم تک نہیں ہوتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی محبت جزء ایمان ہے، تو اہانت رسول ﷺ کے دور میں مصلحت کی چادر اوڑھ کر خاموش رہ جانا یہ اصول محبت وایمان کے یکسر خلاف ہے، کیونکہ جن کے نام پر یہ مدرسے چل رہے ہیں انہوں نے ہی فرمایا ہے کہ لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده و ولده و الناس أجمعين۔ ادھر اللہ کے رسول تو فرما رہے ہیں کہ تم اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمہارے نزدیک میری محبت ماں باپ بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔ تو ادھر انہیں کے مبارک نام اور نسبت پر چل رہے مدرسوں اور اداروں کا عالم یہ ہے کہ اہانت رسول ﷺ پر ایسے خاموش ہوئے ہیں گویا جسم سے آدھی روح پرواز کر چکی ہے، کیا مدرسے کا مقصد صرف تعلیمات دینا ہے؟ اس پر عمل کر کے دکھانا نہیں ہے؟ تو آخر کیا مجبوری ہے کہ ہندوستان کے ہزاروں لاکھوں

ادارے خاموش بیٹھے ہیں، کیا ہندوستان میں پرامن احتجاج کی اجازت نہیں ہے یا آپ کی محبت خالص نہیں ہے؟ آپ کے پاس مسلمانوں کے سپورٹ کی کمی ہے یا مدرسوں (عمارت) کے منہدم ہو جانے کا خوف لاحق ہے؟ ہم نے تو سنا ہے کہ عشق میں راہ گزر نہیں دیکھا کرتے ہیں، بلکہ محبوب کی خاطر ڈٹ جایا کرتے ہیں، تو ہم کیسے عاشق ہیں کہ آئے دن ہم اپنے معشوق کی توہین اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اور ہمارے دل پھٹتے بھی نہیں ہیں، بلکہ زبان تک نہیں کھلتی ہے۔

آج ہمیں بطورِ خاص شکوہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے، مظاہر علوم سے، اشاعت العلوم سے، اشرفیہ سے، اصلاح و فلاح سے، جمعیت سے، جماعت اسلامی سے، تبلیغی جماعت سے، آج ہمیں شکوہ ہے ارشد مدنی سے، سلمان حسینی سے، ابوالقاسم نعمانی سے، بلال عبدالحی حسنی سے، اسدالدین اویسی سے محمود مدنی سے، عبدالباری فاروقی سے، حذیفہ وستانوی سے، سعادت اللہ حسینی سے، سجاد نعمانی سے، ولی رحمانی سے، منورزماں سے، بلکہ ہندوستان کے ایک ایک فرد سے کہ محبت رسول مقدم یا ہماری خوشی ومسرت مقدم۔ اگر رسول اللہ سے اپنی محبت پر آپ کو اعتماد نہیں ہے تو پھر ان احادیث کا، ان قرآنی تعلیمات کا، فقہ وفتاویٰ کا کیا کام؟ اگر آپ کے اندر اس قدر جذبہ نہیں ہے کہ اپنی محبت کا حق ادا نہیں کر سکیں تو براہ کرم دوہری پالیسی اور منافقت کا حجاب اپنے چہرے سے اتاریئے، اپنے مدارس وجامعات کے مقاصد میں تبدیلی لایئے، کیونکہ اس تبدیلی سے بھی آپ کے چندہ کا مشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، البتہ نام رسول اللہ کا ہو کام منافقوں کا تو انہیں سخت تکلیف پہنچے گی۔

☆☆☆

نظم
ایک قافلہ

علمہ انصاری

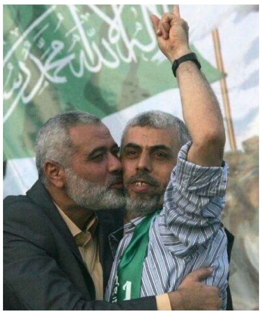

فنا سے بقا کی سمت
خود سے خدا کی سمت
اپنے لہو سے رستے کو لال چھوڑ کر
وہ جا رہے ہیں
دنیا کا ہر مال چھوڑ کر
اقصٰی کی خاطر
سروں کے ڈھیر لگ رہے ہیں
بوڑھے، بچے سبھی شیر لگ رہے ہیں
انہوں نے جو راستہ چنا ہے
وہ راستہ صراط المستقیم کا ہے
یعنی کہ حکم رب العالمین کا ہے
شیروں کی مانند
جو جانیں قربان کر رہے ہیں
وہ اُمّت پر احسان کر رہے ہیں
ظالم کی توپ کے آگے دیوار بن کے
ہر فلسطینی کھڑا ہے سنوار بن کے
تمہیں جو راستہ لہو سے تر نظر آ رہا ہے
وہاں سے ایک قافلہ جنّت کو جا رہا ہے

تکبر کی تباہ کاریاں

شمائلہ مومناتی بنت شوکت علی گنج مرادآبادی

قال اللہ تعالی: ولا تصعر خدك للناس ولا تمش فی الارض مرحا (لقمان)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الکبر بطر الحق وغمط الناس.

کفر حق کی مخالفت اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔

سب سے پہلے میں تکبر کی قسمیں سپرد قرطاس کرتی ھوں!

تکبر کی ۳ قسمیں ہیں!!!

۱۔اللہ تعالی کے مقابلہ میں تکبر

۲۔اللہ کے رسولوں کے مقابلہ میں تکبر

۳۔بندوں کے مقابلہ میں تکبر

اس دنیاے رنگ و بو میں کچھ خداء کا دعوی کرنے والے متکبروں نے بھی جنم لیا البتہ سبھی اپنی حیات مستعار کے لمحات کو مکمل کر کے زمین بوس ہو گئے حتی کہ ان کے نام ونشان بھی باقی نہ رہے بلکہ زمانے کی زوردار تھپیڑوں نے ان کو تہہ وبالا کر دیا ایسے لوگ اگر باقی بھی ہیں تو سوائے نشان عبرت کے اور کچھ نہیں۔

تکبر کی پہلی قسم اللہ سبحانہ وتعالی کی ذات اقدس سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالی کے مقابلہ میں تکبر کرنا کفر ہے، جیسا کہ فرعون اور نمرود وغیرہ نے خداء کا دعوی کیا، البتہ ہر متکبر کا انجام رہتی دنیا تک نشان عبرت ہے۔فرعون جیسے متکبر خداء دعوی کرنے والے ظالم و جابر اور عیاش بادشاہ کے انجام بد سے دنیا بخوبی واقف ہے۔اس قدر متکبر تھا جس کو چاہتا گاجر، مولی کی طرح کٹوا دیتا جیسا کہ موسی علیہ السلام کی ولادت سے قبل ہزاروں معصوم بچوں کو ذبح کروانے کا واقعہ مشہور ہے، لیکن اللہ تعالی کی کبریاء کا کیا مقابلہ موسی علیہ السلام کی پرورش فرعون کے محل میں ہوء سارا کا سارا تکبر چکنا چور ہو گیا۔اس کی نظر میں انسانیت کی انسانی زندگی کی کوء حیثیت نہیں تھی وہ تو صرف انا پرستی میں مگن تھا۔ آخر کب تک؟

ایک دن موت کا آنا لازمی تھا اور ہوا بھی ایسا ہی موت نے اس کی ساری خدائی کو مٹی میں ملا کر رکھ دیا اس کی لاش تا قیامت تمام متکبرین کے لئے نمونہ بن کر رہ گئی ہے! نہ اس کو زمین نے قبول کیا نہ ہی سمندر نے حتی کہ آج بھی اس کی بھیانک

لاش مصر کے عجائب گھر میں متکبری کا عبرت ناک نمونہ پیش کرتی ہے!

اسی طرح نمرود نے خداء کا دعوی کیا ابراہیم علیہ السلام کے لئے نار نمرود تیار کرواء اوران کو آگ میں ڈلوایا آگ اللہ تعالی کے حکم سے گل گلزار ہوگئی اور سلامتی والی بن گئی! مشہور واقعہ ہے۔ایک مرتبہ نمرود اور ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ ہوا ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا اللہ مارتا بھی ہے اور زندہ بھی رکھتا ہے اس نے کہا یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں اتنا کہہ کر دو قیدیوں کو بلایا ایک کو آزاد کر دیا اور ایک کی گردن ماردی! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا اللہ سورج مشرق سے نکالتا ہے تم میں طاقت ہے تو مغرب سے نکال لاؤ؟ اب کیا تھا کوئی جواب ہی نہ بن پڑا دعوی خداء کر بیٹھے جناب اور بیوقوفی کا عالم دیکھئے۔آخر ایک وقت آیا اس متکبر کو موت نے آدبوچا اس بدبخت کی موت بہت حقارت آمیز ثابت ہوء ایک معمولی سا مچھر اس کی ناک میں کچھ عرصہ رہا اسی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

قال اللہ تعالی: انه لا یحب المستکبرین (النحل)

تکبر کی دوسری قسم رسولوں کے مقابلہ میں تکبر!

قال اللہ تعالی: أهذا الذی بعث الله رسولا (الفرقان)

اللہ کے رسولوں کے مقابلہ میں تکبر کرنا ان کے متعلق بے ہودہ باتیں کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ نے اگر رسول بھیجنا ہوتا تو ہمارے سردار میں سے کسی کو رسول بناتا رسولوں کو حقارت سے گستاخانہ جملے کسنا اور مذاق اڑانا کہ اللہ کو یہ فقیر ہی ملا تھا ہم نے رسول بنانے کے لئے عرب والوں نے بھی اس طرح کی خوب باتیں کیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب مذاق اڑایا اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کا خوب مذاق بنایا اور حد سے بڑھ گئی دل کھول کر سرکشی کی تقریبا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اس طرح کی تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔

البتہ جب اللہ عزوجل کی کبریائی جوش میں آئی تو ایسے تمام متکبرین کو خوفناک اور عبرتناک عذاب کی نظر فرما کر ملیا میٹ کر دیا ان کے عالی شان محلات ویران کھنڈرات میں مبدل ہوگئے۔ انبیاء علیہ السلام کے مقابلہ میں تکبر کرنا کفر ہے، ہم پر ان کے بے شمار احسانات ہیں ان کی تعظیم، تقلید اور ہر قسم کی بجا آوری ہم پر لازم ہیں۔

قال اللہ تعالی: واطیعوا الله واطیعوا الرسول اس آیت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اظہر من الشّمس ہے اس کے بعد کوئی پیچ وخم اور قیل وقال کی قطعاً گنجائش نہیں۔

تکبر کی تیسری اور آخری قسم بندوں کے مقابلہ میں تکبر!

قال اللہ تعالی: ان الله لا یحب کل مختال فخور

بندوں کے مقابلہ میں تکبر مطلب اپنے علاوہ سے لوگوں کو کم تر اور حقیر وذلیل تصور کرنا حقارت آمیز رویہ اختیار کرنا ایسی حرکتیں اللہ کے حضور بہت ناپسندیدہ ہیں کیونکہ اللہ کی نظر میں کوئی بندہ عزت میں بڑھا ہوا نہیں سوائے تقوی اختیار کرنے والے کے۔

عزیزو! آخر ان کو گھمنڈ کس بات کا ہے؟ جوانی کا، جس کا زوال یقینی ہے، خوبصورتی کا، جس کو ایک دن ڈھل جانا ہے،

دولت کا، جس کا بھروسہ ہی نہیں یا پھر عالیشان محلات کا، جن کو چھوڑ کر دو گز زمین میں دفن ہو جانا ہے ہم دنیا کی ان تمام عارضی نعمتوں پر پھولے نہیں سماتے ہیں جو کہ اللہ کی عطا کردہ ہے اگر اللہ چاہے تو پل بھر میں چھین لے ہم اس میں ایک تنکا بچا کر رکھنے کے بھی مکلّف نہیں بجائے اس کے کہ ہم شکر ادا کریں گھمنڈ کرتے ہیں جیسے باپ کی جاگیر ہو۔

عزیز قارئین وقارئات! ہم اپنی تخلیق پر غور کریں تو سراپا گندگی سے نطفہ بنا ہے پھر گھمنڈ کس بات کا؟ غور کریں کہ ہم کتنے کمزور ہیں ہمارے اندر ذرہ برابر بھی طاقت نہیں اگر اللہ کن فرمادے تو ہم ایک دم کنگال ہو جائیں۔ ساتھیو! پھر یہ اکڑ اور کرو فر کیوں؟ ہم اسی کے بندے، اسی کی عطاء کردہ نعمتوں میں، اسی کی زمین پر اکڑ کر چلیں یہ رب ذوالجلال کو گوارا نہیں۔

آج ہم کس چیز پر گھمنڈ کرتے ہیں اپنے کمزور جسم پر یا پھر اپنے خوبصورت چہروں پر جو کہ دنیا میں ہی نہ جانے کتنے رنگ بدلتا ہے جب ہم بچے ہوتے ہیں تو کتنے نرم و نازک گلاب سے ہوتے ہیں جیسے۔ جیسے عمر بڑھتی ہے خوبصورتی کو زوال آتا رہتا ہے غور کریں دنیا کا یہ عالم ہے یہاں کی کوئی چیز پائیدار نہیں پھر ایک دوسرے کو نیچا دکھانا کیسا؟ اور کیوں؟ ذرا سوچیے تو صحیح متکبر انسان کا آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ ہم اپنے ضمیروں کو جھنجھوڑیں اور خود ہی اندازہ لگائیں ہمارا ضمیر ہمارے تمام سوالوں کا جواب دے گا البتہ کمی تو اسی بات کی ہے کہ ہم کبھی اپنا جائزہ لیتے ہی نہیں ہیں کیوں کہ ہم کو وقت ہی نہیں ملتا۔ وقت تو ہمارا انا پرستی اور حصول دنیا میں صرف ہو رہا ہے آخرت سے ہم بے بہرہ ہوئے بیٹھے ہیں۔ شاعر نے کیا زبردست بات کہی ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

کم از کم ہم کسی کو نہیں سدھار سکتے کسی کو ہدایت کا راستہ نہیں بتا سکتے تو اپنی ہی آخرت کی فکر کرلیں خود کو ہی سنوار لیں۔

قال اللہ تعالی: فادخلوا ابواب جہنم خالدین فیہا فلبئس مثوی المتکبرین (النحل)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن متکبرین کو انسانی شکلوں میں چیونٹیوں کی مانند اٹھایا جائے گا، ہر جانب سے ان پر ذلت طاری ہوگی، انہیں جہنم کے "بولس" نامی قید خانہ کی طرف ہانکا جائے گا اور بہت بڑی آگ انہیں اپنی لپیٹ میں لےکر ان پر غالب آجائے گی۔ معاذ اللہ

خلاصہ یہ کی دنیا میں ایک سے ایک تیس مار خاں آئے لیکن کیا انجام ہوا خالی ہاتھ اس دنیا سے چلے گئے دو گز زمین میں پیوند خاک کر دیئے گئے ان کی قبریں تک ویران ہوگئیں کنڈرات میں تبدیل ہوگئیں اللہ حفاظت فرمائے ایسے انجام بد سے اور اس مہلک ناسور سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

ڈالی ٹوٹ جاتی ہے ہوا کے ایک جھونکے سے

جسے اپنی بلندی پر ذرا بھی ناز ہوتا ہے

☆☆☆

تعارف کتب

کتاب: خورشید کا سامان سفر

مصنف: شمس الرحمٰن فاروقی

مطبع: ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی

ناشر: ایم۔آر۔پبلی کیشنز

مبصر: حفظ الرحمٰن اعظمی

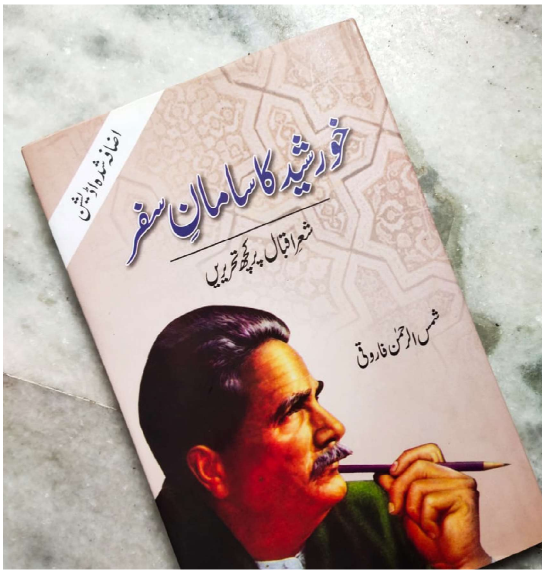

شمس الرحمٰن فاروقی صاحب اردو ادب کی دنیا میں ایک عظیم نقاد، صاحب طرز محقق گزرے ہیں۔ انہوں نے حیات نو کا آغاز تنقید نگاری سے کیا۔

الہ آباد سے "شب خوں" نامی ایک رسالہ کا اجرا کیا، جسے جدیدیت کا پیش رو قرار دیا گیا۔ بمطابق ویکیپیڈیا کہ اس رسالے نے اردو ادب کے مصنفین کی دو نسلوں تک رہنمائی کی۔

یوں تو فاروقی صاحب کا شاعری، لغت نگاری پر تحقیق ونظر اپنے آپ میں ایک بڑا کارنامہ ہے، ان سب کے باوجود اردو زبان وادب کے حوالے سے انہیں اولا ایک غیر جانب دار نقاد شمار کیا جاتا ہے . وہ پیمانہ نقد پر پرکھنے کے بعد جس بات کو حق سمجھتے اسکو بغیر کسی تامل کے بغیر گھٹائے بڑھائے بغیر ہموار کئے بغیر مصلحت یا موقع کا انتظار کئے، بے ساختہ زبان، بغیر پلک جھپکائے، مخاطب افلاطون ہو یا فرعون اسکے سامنے کہ ڈالنا فاروقی صاحب کیلئے معمولی بات تھی!۔

پیش نظر کتاب "خورشید کا سامان سفر" جو کہ شعر اقبال پر لکھے گئے چند تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے، جسکو افادہ عام کی غرض سے کتابی شکل میں لایا گیا۔

کلام اقبال کی تفہیم کیلئے ضروری ہے کہ مذہب، تاریخ، فلسفہ، سائنس، سب سے اہم یہ کہ لفظوں کے ٹمپریچر اور اسکے دروبست پر دسترس حاصل ہو۔ بغیر اسکے اقبال کی اقبال مندی تک وصول ممکن نہیں۔۔ لیکن افسوس کہ اقبال اردو کے بدنصیب شعرا میں سرفہرست ہیں۔ کیونکہ اقبال کے زلہ رباؤں نے ان کو نسیم بھرت پوری، شوق نیموی اور جلیل مانگ پوری کے برابر بھی مستند نہ مانا۔ اقبال کو ترجمانِ حقیقت، لسانُ القوم، حکیمُ الامت، شاعرِ مشرق، فلسفہ طرازِ خودی، معمارِ پاکستان، ہندوستانی قومیت

کا پیغمبر، انقلاب کی روح، فلسفہ اور علم کا نچوڑ سب کچھ کہ دیا گیا، لیکن انہیں بحثیت شاعر نہ تسلیم کیا گیا۔ اب رہا نوبل انعام، تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس کی قدر کتنی مشکوک ہے۔ جب دنیا کے بڑے علمی اور تعلیمی ادارے مشرقی ممالک میں ہیں ہی نہیں، اور جو ہیں بھی تو وہ مغربی ہی نقطہ نظر کے حامل تو یہ استدلال بیکار اور بیمعنی ہے کہ ان اداروں میں اقبال کا ذکر نہیں لہذا اقبال بڑے شاعر نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ کالجز و یونیورسٹیز وغیرہ میں اقبال کا کلام مردود قرار دیا جاتا ہے، آپ ان کے سامنے کسی الفاظ کی اصل یا تذکیر و تانیث پر اعتراض کریں تو ممکن ہے کہ وہ میرؔ و غالبؔ یا زمانہ جدید کے شعرا مثلاً تہذیب حافی یا علیؔ زریون تک کے کلام کو بطور حوالہ پیش کر دیں، مگر اقبالؔ کا نہیں کیونکہ انکے نزدیک اقبال کبھی بڑے شاعر تھے ہی نہیں۔

ترقی پسند ادبا میں مثلاً علیؔ سردار جعفری، احمدؔ ندیم قاسمی، اخترؔ حسین، احتشام حسین، منٹوؔ حتی کہ لبرل آل احمد سرور نے اقبال پر جو بھی اعتراض کیے وہ اقبال کو شاعر نہیں بلکہ فلسفی سمجھ کر کیے اور بعض سیاسی مصلحتوں پر کیے، اس حوالے سے انورؔ سدید لکھتے ہیں: ترقی پسند ادبا کے لیے اقبالؔ ہمیشہ ایک ایسا بھاری پتھر ثابت ہوا ہے جسے اٹھانا ان کے بس میں نہیں، اور جسے چومے بغیر آگے گزر جانا، ان کے لیے ممکن نہیں۔ چنانچہ اول الذکر اقدام کے سلسلے میں ترقی پسند تحریک نے انہدامِ اقبال کی طرح ڈالی اور موخر الذکر کے تحت اقبالؔ پر نگاہِ محبت اس طرح ارزانی کی کہ پورا اقبال ترقی پسند طرز کی مادیت میں ختم ہو جائے۔ اقبال کو فاشسٹ ثابت کرنے کی اولین کوشش ترقی پسند تحریک کے ادبا نے ہی کی اور آزادی کے بعد ترقی پسند تحریک نے اقبال کو demolish کرنے کے لیے جماعتی منصوبے پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ (بحوالہ خورشید کا سامان سفر)

صفحہ پنچانوے پر ایک جگہ فاروقی صاحب نے ایک مفروضہ بیان کیا کہ "شعر کو سمجھنے کیلئے اس سے متاثر ہونا ضروری ہے۔ جب تک اشعار کی تاثیر آپ کے ذہن پر مرتب نہیں ہوگی تب تک آپ اس کی تہیں کھولنے سے قاصر رہیں گے" یہ ہمیں تھوڑا کھٹکتا ہے کیونکہ اشعار کی تہوں تک رسائی کیلئے پہلے فہم و دانائی ضروری ہے کیونکہ دنیا کا کوئی بھی فلسفہ ہو یا منطق جسکو سمجھے بغیر ذہن و دماغ پر کوئی تاثر قائم نہیں ہو سکتا۔

المختصر یہ کہ کتاب کا سرورق دیدہ زیب اور چھپائی بھی عمدہ جسکو پڑھنے میں بھی دل لگے۔ کلام اقبال کی تفہیم کیلئے یہ کتاب ایک ریسورسز کا کام کرے گی۔ ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

☆☆☆

مسئلہ فلسطین، تاریخی پس منظر اور ہماری ذمہ داری

تحریر: کلیم اللہ عثمانی

ارض مقدس یعنی بیت المقدس کی سرزمین وہ گراں قدر مقام ہے جو کہ تمام سامی مذاہب یعنی اسلام، مسیحیت اور یہودیت کے لیے یکساں طور پر قیمتی اور تبرک کا حامل ہے۔ عالمگیریت سے لبریز دین وملت "اسلام" میں اگر اس کی اہمیت کو دیکھا جائے تو یہیں سے آنحضرت ﷺ کو معراج کے موقع پر عالم بالا کا سفر کرایا گیا۔ پیغمبر اسلام کا نبوت کے شرف پر فائز ہونے کیبعد تقریباً سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز کی ادائیگی اگر ایک طرف بیت المقدس کو "مسلمانوں کا قبلہ اول" کے لقب سے ملقب کرتا ہے، تو دوسری طرف بیت المقدس کی اہمیت کو بھی بے غبار کرتا ہے۔ مشہور فرمان نبوی ہے کہ "خاص طور پر تین ہی مساجد کے لیے رخت سفر باندھنا درست ہے: مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ"۔ ماقبل از اسلام شرائع و ملل میں بھی حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور نجانے کتنے انبیاء کا تعلق اسی مقدس قطعہ ارض سے رہا ہے، جس کی بدولت اس کو "سرزمین انبیاء" کے خطاب سے بھی نوازا جاتا ہے۔ اس غیر معمولی اہمیت ہی کا نتیجہ ہے کہ اسلامیان عالم کا اس مقدس سرزمین سے ابد کے لیے قلبی اور جذباتی تعلق رہا ہے۔

تاہم جہاں تک اس سرزمین، مسئلہ فلسطین اور اسرائیل کا تاریخی پس منظر ہے تو اس کی ابتداء اسلام سے قبل کے زمانے سے ہوتا ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل از اسلام یہ شہر بالخصوص چھٹی صدی قبل مسیح میں تخت وتاراج کیا گیا جب بابل کے حکمران بخت نصر نے اس شہر اور اس کے مقدس مقامات کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور ایک لاکھ یہودی نفر کو قید کرکے بابل لے گیا اور تقریباً تمام یہودی برادری کو سرزمین فلسطین سے نکالا۔ یوں اس مقدس سرزمین پر عیسائی غالب رہے یہاں تک کہ مابعد از اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سنہرے دورِ خلافت میں سن 636ء کو کہ جہاں پر اسلام عروج وترقی کے

منازل سے ہوکر اوج ثریا تک پہنچ چکا تھا، اسی بیت المقدس کے علاقے کو حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما نے فتح کیا، مسلمان اس موقع پر صلح کے خواہاں تھے تو عیسائیوں نے شرط لگائی کہ خلیفہ وقت خود آ کر دستاویز پر دستخط ثبت کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبول کیا اور بیت المقدس سے پہلے ہی "جابیہ" نامی مقام پر آ گئے، جہاں پر اسلامی لشکر نے آپ رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا، وہی پر عیسائی رہنما بھی آ گئے اور معاہدہ صلح کی تحریر عمل میں آئی۔ اس معاہدہ کے تحت عیسائی باشندوں کو جان و مال، مذہبی مقامات وغیرہ کی حفاظت کی ضمانت دی گئی، بلکہ بنا بر ایماے عیسائی افراد کہ وہ اس مقدس سرزمین پر موجود چند یہودیوں کے ساتھ اکٹھے رہنا پسند نہیں کرتے تھے، عیسائی اور یہودی آبادی الگ الگ بنائی گئی۔

اس کے بعد سے یہاں برابر مسلمان حکمران رہے، تا آنکہ گیارھویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگیں شروع ہوئی، جس کے نتیجے میں عیسائی دوبارہ فاتحانہ بیت المقدس میں داخل ہوئے، انہوں نے ایسا قتل عام کیا کہ بلا امتیاز سب کے سب کو تہہ تیغ کیا اور لاشوں کے انبار لگ گئے۔ خود مغربی مؤرخین معترف ہیں کہ گلی، محلے فلسطینیوں کے خون سے گھٹنوں تک بھر گئی تھیں۔

سقوط بیت المقدس نے پورے عالم اسلام کو گہرے زخم دیئے اور ان میں بے چینی کا عالم رہا، یہاں تک سلطان نورالدین زنگی کے ایک نڈر کمانڈر مجاہد اسلام، شجاع بے نظیر سلطان صلاح الدین ایوبی نے 1187ء میں بیت المقدس کو فتح کیا اور یوں تقریبا اکیانوے (91) سال بعد قبۃ الصخراء پر لگائی گئی سنہری صلیب اتاری گئی۔ انہوں نے ان احسان فراموش عیسائیوں کے ساتھ رحم دلی سے بھرپور ایسا سلوک کیا کہ تاریخ کے صفحات آج تک اس کا مثال لانے سے عاجز ہے، نتیجتاً خود عیسائی دنیا پر اس کا گہرا اثر پڑا کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کی طرح طرح کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔

چلتے چلتے خلافت عثمانیہ کے دور میں ایک بار پھر یہودیوں نیتھیوڈور ہرزل کی سرپرستی میں صیہونی تحریک جیسے مختلف قسم کی سازشیں رچنی شروع کی، لیکن خلافت کے مضبوط و مربوط نظام کی وجہ سے ان کو مسلسل ناکامی مقدر رہی، تاہم برابر مغربی سازشوں کی وجہ سے بالآخر خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا اور تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد 1948ء کو عالم اسلام کے قلب میں اسرائیل کا زہریلہ خنجر گھونپ دیا گیا، یہ زخم مندمل ہونے کے بجائے بڑھتا رہا یہاں تک کہ 1967ء میں مسلمانوں کا قبلہ اول ان کے دست قدرت سے جاتا رہا اور مسلمان حکومتوں بالخصوص عرب حکمرانوں نے اس مقدس امانت کو سونے کے طشت میں آراستہ و پیراستہ کر کے صیہونیوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مسلمانوں کے لیے انتہائی اندوہ ناک اور کرب ناک سانحہ تھا، لیکن تعجب ہم مسلمانوں پر کہ ہم بے حسی اور بے شعوری کی اس انتہاء پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے نسلوں نے اس تاریخی واقعات کو اپنے دریچہ خیال سے مٹا دیا ہے، اگر فلسطینی مجاہدین کی دینی حمیت آڑے نہ آتی اور وہ مسلسل برسرپیکار نہ ہوتے تو خدانخواستہ شاید فلسطین صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہوتا۔

حالیہ دنوں میں ایک بار پھر اسرائیل و فلسطین کی یہ کشیدگی انتہائی سنجیدہ نوعیت اختیار کر چکی ہے، اور فلسطین کے نہتے

مسلمانوں پر ظلم بالائے ظلم ڈھائے رکھا ہے۔ مزید براں یہ کہ اس سے بڑھ کر بدقسمتی کیا ہوسکتی ہے کہ عالمی قوتیں بجائے ان مظالم کی بیخ کنی کے، برابر اسرائیل کی پشت پناہی میں مصروف ہیں، حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں اور کھلم کھلا دوہرا رویہ رکھا ہے کہ اگر اسرائیل کچھ بھی کرے تو صد فیصد درست، لیکن اگر فلسطینی مسلمان "تنگ آمد بجنگ آمد" کی وجہ سے دفاعی پوزیشن میں تھوڑا سا بھی حرکت کرے تو دہشت گردی، شدت پسندی اور نجانے کتنے طعنے ان کی گریبان کے ہار بن جاتے ہیں۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

لیکن پرائیوں کو تو چھوڑ وہ تو غیر ہے، گلہ وشکایت اپنوں سے ہیں، کہ اسلامی ممالک عملی امداد وتعاون تو درکنار اخلاقی طور پر زبانی حمایت کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے۔ کہیں اگر خامخا کوئی فلسطینی اسلامی بھائیوں کی حق میں بات کرتا بھی ہے، تو الفاظ کا ایسا ہیر پھیر کرتے ہیں کہ ابہامات، اور شکوک بڑھ جانے کے علاوہ مزید کوئی نتیجہ وثمرہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس موقع پر اسلامی ممالک کا کم از کم ادنی سا فریضہ بنتا ہے کہ سب مل کر اسلامی ممالک کی تنظیم او، آئی، سی (Organization of Islamic Countries) کے فورم پر اکھٹے ہو کر اس حوالے سے اپنا ایک اجماعی موقف انتہائی غیر مبہم، بے غبار اور واضح انداز میں پیش کریں، اور اس انتہائی نازک موڑ پر اپنے بھائیوں کی کھل کر حمایت کریں۔ نیز بتقصائے دینی حمیت کے، ترک تعلقات سمیت اسرائیلی کمپنیوں کا بائیکاٹ کریں۔ یہ شرعی ذمہ داری بھی ہے اور بحثیت مسلمان ایمانی غیرت بھی ہمیں للکار رہی کہ کیا ہم اس کے لیے بھی تیار نہیں؟ نیز اگر مسلم دنیا اس طرح خاموش رہی تو دنیائے کفر کو مزید جرآت ملے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر آج فلسطینی بھائی بے یار و مددگار اس مشکل میں گرے ہوئے ہیں تو کل کوئی دوسرا ملک بھی اس طرح کے مشکل حالات کا سامنا کرسکتا ہے، پھر پچھتاوا ہی پچھتاوا ہوگا اور کف افسوس ملنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

☆☆☆

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر!

محمد عدنان ریاض سیتاپوری

غم کی روشنائی میں آہ کے قلم کو ڈبو کر دینی مدارس کے ذمہ داروں سے چند باتیں عرض کرنی ہیں اس گزارش کے ساتھ کہ چمن میں تلخ نواء مری گوارا کر آج دنیا کے بیشتر خطے میں دیگر مذاہب اور ملحدوں کے بہت سے ایسے ادارے ہیں جہاں کی لائبریریوں میں اسلامی موضوعات پر معلومات افزا قدیم وجدید کتابیں دستیاب ہیں ہمارے وطن عزیز میں بھی ایسے ادارے موجود ہیں جو منصوبہ بند طریقے سے اسلام کا گہرا تنقیدی مطالعہ کرنے کیلئے تمام قسم کی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔ دینی مدارس کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مدارس کے پورے نظام کا جائزہ لینے اور ان کو درست کرنے کے لئے overhauling کی جانب توجہ دلانے کی شدید ضرورت ہے۔ مدارس کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہے اگر چہ وہ زمانہ ختم ہو چکا ہے جب علماء کے تصنیفی کام میں جدت ہوتی تھی تخلیقی قوت ہوتی تھی فکر میں ندرت ہوتی تھی ابداع واختراع کی شان ہوتی تھی۔

اس وقت مدارس جس قدر بھی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی قدردانی ہونی چاہئے لیکن ان کی اصلاح اور ترمیم کی بھی کوشش ہونی چاہئے ہر سال کئی ہزار طلبہ مدارس سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں ان میں کچھ طلبہ باصلاحیت بھی ہوتے ہیں یہی باصلاحیت افراد کا گروہ ہے جو تمام دینی جماعتوں کو قیادت فراہم کرتا ہے تبلیغی جماعت۔ جماعت اسلامی۔ جمعیت علماء۔ جماعت اہل حدیث۔ امارت شرعیہ۔ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قائدین اور دینی مدارس کے مدرسین۔ دارالافتاء کے مفتی اور قاضی۔ اور مساجد کے امام اور واعظ اور خطیب ان ہی مدارس سے ملتے ہیں۔ اسلامی علوم سے متعلق تصنیف وتالیف کا کام بھی یہی انجام دیتے ہیں بہت سی کمیوں کے باوجود بھی مدارس کا ابر رحمت مسلمانوں پر برستا ہے اس لئے نہ ان کی ناقدری کی اجازت ہے اور نہ ناشکری کی۔ لیکن اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ مدرسے خامیوں سے خالی نہیں۔ مدارس سے فارغ ہونے والوں کی غالب ترین اکثریت بے شعوری کے اندھیروں کی اسیر ہوتی ہے۔

وہ عصری تقاضوں سے ناواقف ہوتی ہے دینی مدارس کے فضلاء کے پاس غیر مسلموں سے گفتگو اور ان کے درمیان دعوت کی صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے ان کی اردو تحریروں میں نہ شگفتگی ہوتی ہے نہ سلاست وہ دنیا سے بے خبر اور مسلک کے بارے میں تنگ نظر ہوتے ہیں مسجد میں امامت وخطابت ان کے آرزو کا سدرہ المنتہی بن جاتی ہے۔ مدارس دینیہ کے ذمہ داروں کو اندازہ نہیں ہے کہ ہندتو کا سیلاب خطرہ کا نشان پار کر چکا ہے اور ملک کے اندر صولت بزم کافری اور رقص بتان آزری کا منظر اسٹیج کیا جانے والا ہے۔ سرکاری تعلیم پر زعفرانی رنگ چڑھایا جا رہا ہے اس شورش طوفاں کو روکنے کے لئے کچھ نء صلاحیتوں کی ضرورت ہے یہ وہ

چیلنج ہے جسے علماء کو قبول کرنا ہوگا

اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسے علماء کو سامنے آنا ہوگا جنہوں نے ہندو مذہب کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہو بلکل اسی طرح جس طرح پہلے مسلمان علماء نے عیسائیت کا مقابلہ کرنے کیلئے بائبل کا تنقیدی مطالعہ کیا تھا۔اس وقت شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ طلبہ کو باشعور اور صاحب ادراک بنایا جائے تاکہ ان کو حالات کی سنگینی کا ادراک ہو سکے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ ہمیں درون خانہ ہندو جارحیت کا چیلنج درپیش ہے اور اسی کے ساتھ مغربی تہذیب کی فکر یلغار کا بھی۔ساری تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ مدارس کو ایسا نصاب تعلیم درکار ہے۔جسے پڑھ کر ایسے علماء نکلیں جو یا تو انگریزی میں اتنے اچھے ہوں کہ یورپ کی علمی تحقیقات کا مطالعہ کر سکیں اور اس زبان میں اسلام کی ترجمانی کر سکیں یا ہندی اور سنسکرت میں اتنے اچھے ہوں کہ ہندوستانی مذاہب کا تحقیقی تقابلی اور تنقیدی مطالعہ کر سکیں اور اسلام کے بارے میں غیر مسلم سوسائٹی میں لیکچر دے سکیں یا ان کی عربی دانی اتنی اچھی ہو کہ وہ عرب دنیا کے لئے دینی علمی اور تاریخی موضوعات پر تحریری اور تصنیفی کام انجام دے سکیں۔اس کے ساتھ اردو زبان میں بھی ان کا قلم گوہر بار ہو۔بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے مدارس سے جو لوگ پڑھ کر نکلتے ہیں وہ نہ صرف انگریزی ہندی اور سنسکرت میں ناخواندہ ہوتے ہیں بلکہ ان میں بعضوں کو عربی بھی نہیں آتی بلکہ اردو زبان وادب کے بھی ذوق آشنا نہیں ہوتے ہیں۔جب ایک عالم ابلاغ اور ترسیل کی صلاحیت سے محروم ہو اور اس کا علم اور ایمان متعدی نہ ہو سکے تو اس کا وجود بے فیض ہوتا ہے زمانہ کی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اسلام جو دنیا میں بڑھنے اور پھیلنے کیلئے آیا تھا مسلمانوں کے گنبد مینا میں محصور ہو گیا ہے۔حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم دونوں عقیم ہیا ور وقت کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے اور ان پر اصرار کرنا ہواء جہاز اور تیز رفتار ٹرینوں کے زمانہ میں بیل گاڑی پر سفر کرنے پر اصرار کرنا ہے اور یہ ثابت کرنا ہے کہ انسان کا علمی اور فکری ارتقاء بند ہو چکا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان علماء کے ہاتھ میں چراغ رہگزر ہو اور وہ درون خانہ اور بیرون خانہ کے ہنگاموں اور حشر انگیزیوں سے واقف ہوں انسانیت کی نبض ان کے ہاتھوں میں ہو اور وہ کاروان حیات کے حدی خواں اور امیر کارواں ہوں اسی لئے مدارس میں ترمیم اور اصلاح کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے ہر صاحب بصیرت کو یہ ضرورت محسوس ہونی چاہئے۔

☆☆☆

تعارف کتب! اس کالم کے تحت مصنفین وناشرین اپنی کتابیں سراغ زندگی کو ایک مہینے قبل ہی ارسال کریں۔

Suraagezindagi@gmail.com

جاہلیت کا حقیقی مطلب

محمد عمران رامپوری

جاہلیت کا لفظ جب بھی بولا جاتا ہے تو ہمارا ذہن فوراً عہد رسالت سے قبل زمانہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ رسالت سے قبل ساری دنیا میں جہالت پھیلی ہوئی تھی، لوگ خدا کو بھول گئے تھے، زندگی کے مقاصد کو بالکل فراموش کر چکے تھے لیکن درحقیقت اس کا مطلب یہ نہیں بلکہ اسکا حقیقی مطلب یہ ہے کہ من مانی زندگی گزارنا، جو دل میں آ؟ وہ کرنا، جیسا ہو رہا ہے ویسا کرنا، ہر وہ عمل کرنا جو لوگوں کی خواہش کے مطابق ہو، جس میں آدمی کو شہرت وعزت ملے، الغرض وہ تمام اعمال انجام دینا جو شریعت اسلامی کی روح اور اسکے مزاج کے خلاف ہو، لہذا اسلام قبول کر لینے کے بعد، مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے بعد، اگر انسان نے دین اسلام کی ضروری اور بنیادی معلومات حاصل نہیں کی، قرآن کا صحیح سے مطالعہ نہیں کیا، علماء اور دینی کتابوں کے ذریعہ اس نے اللہ اور اسکے رسول کی منشا کو نہیں سمجھا تو کوئی بعید نہیں کہ وہ جاہلیت کے اعمال دوبارہ اس کے اندر سرایت کر جائے جو اس وقت پائے جاتے تھے، اس لیے ہمیں زمانہ جاہلیت کے متعلق یہ تصور نہیں کرنا چاہئے کہ وہ واپس نہیں آسکتا، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعوں پر یہ جملہ بار بار ارشاد فرمایا ہے» أجاهلية بعد الإسلام «(کیا تم اسلام کے بعد جاہلیت چاہتے ہو) اسی طرح ایک صحابی جن سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہو گئی تھی ان کے متعلق یہ جملہ ارشاد فرمایا» إنك امرأ فيك جاهلية }« صحیح بخاری (تم ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو باقی ہے) تو معلوم ہوا کہ جاہلیت کوئی گزرا ہوا زمانہ نہیں جو گزرے ہوئے وقت کی طرح واپس نہ آسکتی ہو بلکہ جاہلیت ایک طرز زندگی کا نام اور اس طرز زندگی کو بنیادی طور سے جو چیز جاہلیت بناتی ہے وہ جہالت ہے، لہذا اسلام کا جہالت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔

☆☆☆

کیا خوشنما نعروں سے خواتین کی عزت و آبرو کی بقا ممکن ہے؟

سندس کلیم مومناتی

گزشتہ کئی سالوں سے کچھ نعرے بڑے پر جوش انداز میں لگائے جا رہے ہیں، لوگ نہ صرف انہیں قبول کرتے ہیں، بلکہ ہاتھوں میں بینر لے کر سڑکوں پر گھوم کر بانگ دہل اعلان کرتے ہیں، وہ نعرے کچھ اس طرح ہیں کہ "بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ" ساتھ ہی " آزادی نسواں " کے بھی نعرے لگا؟ جاتے ہیں ان نعروں کی حقیقت کیا ہے مجھے لفظوں میں بیاں کرنے کی ضرورت نہیں، اس وقت ملک کے حالات خود چیخ چیخ کر ان نعروں کی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں، خواتین کے ساتھ نا صرف بدسلوکی بلکہ انہیں ہراساں کر قتل جیسی واردات کو انجام دینا یہ واقعات روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں، خدا جانے ہمارے وزرا کس مٹی کے بنے ہیں کہ ایسے دردناک واقعات بھی انہیں مجرمانہ غفلت سے نکلنے پر آمادہ نہیں کر پا رہے ہیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کی ایسے لوگوں کو پھانسی کی سجا سنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے!

جو ہیں مظلوم ان کو تڑپتا چھوڑ دیتے ہیں
یہ کیسا شہر ہے یہاں ظالم کو زندہ چھوڑ دیتے ہیں

میں آپ سب سے پوچھنا چاہتی ہوں کیا اس طرح مظالم کے ہوتے ہو؟ ہند میں خواتین کے روشن اور تابناک مستقبل کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ ہمارے وزراء ابھی بھی اگر انسانوں کی فہرست سے نکل کر حیوانوں کی صف میں پوری طرح داخل نہیں ہوئیں ہیں تو انہیں ایسے مسائل پر باریک بینی سے غور کرنا چاہ؟، اور حل تلاشنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔

چلئے میں آپ کو آج سے چودہ سو سال پیچھے لے چلتی ہوں، آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے عورتوں کو بازاروں میں خریدا اور بیچا جاتا تھا، وہ ماں باپ بھائی پر بوجھ شوہر کے ل؟ باندی سے بدتر تھیں، جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلتیں تو بھیڑیا صفت انسانوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھنے لگتیں، بہ الفاظ دیگر حیوانیت عروج پر تھی، لیکن جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو بعثت کے بعد آپ ﷺ نے بیٹیوں کو وہ مقام دیا کہ لوگ بیٹیوں کی تمنّا کرنے لگے، شوہر کے دل میں بیوی کے لئے عزت و وقار اور محبت پیدا ہوگئی، بیٹیوں کی عزت اس طرح کی جانے لگی کہ اگر بیٹیوں پر کوئی بات آتی تو پورا کا پورا قبیلہ امڑ پڑھتا الغرض آپ ﷺ کی صحبت سے وہ تبدیلی آئی اور ایسا انقلاب برپا ہوا کہ وہ معاشرہ خیر القرون بن گیا، کل تک جو بیٹیوں کی پیدائش کو عار کا باعث سمجھتے

تھے آج وہی صحابہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہیں ہیں، صرف اتنا ہی نہیں آپ ﷺ نے بہن بیٹیوں کی بہترین تربیت پر جنت کا وعدہ فرمایا آپ ﷺ نے والدین کی خدمت کو جہاد فی سبیل اللہ پر مقدم فرمایا، بلکہ اس سے بھی آگے آپ ﷺ نے کئی جگہوں پر عورتوں کو مردوں پر فوقیت دیتے ہوئے فرمایا۔صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہیا یک صحابی رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔ پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ آپ ﷺ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔انہوں نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ اس کے بعد کون ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہارا باپ ہے، یوں آپ ﷺ نے بہت سی اہم تعلیمات سے نوازا اور بار ہا خواتین کے ساتھ عفو نرمی کا معاملہ کرنے کی تلقین کی جس سے یکا یک طبقہ نسواں معزز اور محترم ہو گیا- ذرا تاریخ کے اوراق کھنگھالیے اور مجھے بتایئے کہ کیا آپ نے تاریخ میں کہیں پڑھا کہ عورتوں کو یہ مقام دلانے کے لیے آپ ﷺ نے خوشنما نعرے لگائے ہوں! نہیں بلکہ آپ ﷺ نے لیڈر ہونے کی حیثیت سے اپنے ہر قول و فعل کو عملی جامہ پہنایا۔

لیکن افسوس صد افسوس! اسلام نے عورتوں کو جو عزت دی وہ آج بازاروں میں نیلام ہوتی نظر آ رہی۔اس کی سب سے بڑی وجہ مغرب ہے جس نے مذہب کے خلاف بغاوت کی، زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کے خلاف کاموں کو فیشن بنا دیا۔اور اس بے لگام طوفان کا شکار سب سے زیادہ عورتیں ہوئیں۔اور پھر کیا آزادی نسواں کے نام پر لگائے جانے والے خوشنما نعروں کے بعد وہ طوفان بدتمیزی پھیلا اور بے حیائی کا ایسا سیلاب آیا جس کا نتیجہ آج نا صرف ہم دیکھ رہے ہیں بلکہ بھگت رہیں ہیں۔ پھر عورتیں اسی جگہ آگئیں جہاں سے ان کی ترقی کا آغاز ہوا تھا۔ پھر عورتوں کو بازاروں کی زینت بنایا جانے لگا۔سنیما ہال سے لیکر میگزین کے اشتہارات خود اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔لیکن انتہائی افسوس آج ہماری بہنیں اس غلامی اور عریانیت والی زندگی کو آزادی سمجھ رہیں ہیں۔

یوں ہی تہذیب مغرب نے عطا کی ہے وہ ازادی
کہ ظاہر میں ہے ازادی ہے باطن میں گرفتاری

یاد رکھیں اگر ایک عورت حیا اور پاکدامنی کے زیور کو اتار پھینکے تو وہ سب کچھ ہو سکتی ہے مگر ایک عورت نہیں۔ ذرا غور کریں، کہ آپ ﷺ نے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو ایمان کا ایک شعبہ بتایا ہے۔آپ مجھے بتایئے راستے میں پڑا ہوا پتھر زیادہ خطرناک ہے یا وہ عورتیں جو سج سنور کر باہر نکلتیں ہیں اور ایسے فتنے کو جنم دیتیں ہیں جس سے ایمان کو چوٹ لگتی ہے۔جس کے نتیجے میں اخلاق دین اور کردار میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔تعجب کی بات ہے کہ اسی بے حیائی کو فیشن اور ٹرینڈ سمجھا جاتا ہے۔اور اسی فیشن اور بے حیائی کا نتیجہ ہے کہ آج سڑکوں پر کینڈل مارچ ہو رہیں ہیں۔ یاد رکھیے آپ کے لیے ہزار آوازیں بلند کرنے

والے پیدا ہو جائیں۔لیکن اگر خالق کائنات راضی نہیں تو مسائل ختم ہونے کے بجائے بڑھتے چلے جائیں گے۔ابھی بھی وقت ہے ہوش کے ناخن لیے جائیں، حالات کی سنگینی کو محسوس کیا جائے۔اور اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کیا جائے۔ پھر ان شاءاللہ جس طرح 14 سو سال پہلے اسلام نے اسی فریضے کو بحسن خوبی انجام دیا تھا۔آج بھی اگر اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے گا تو موجودہ دور میں پیش آنے والے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔لہذا آج بھی خواتین کو تحفظ کے لیے اسلام کی اور اسلامی تعلیمات کی ضرورت ہے کیونکہ ان پریشانیوں کا علاج ہماری اور عزت وآبرو کی بقا خوشنما نعروں میں نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔

ذہن سے کام لو اور موڑ دو طوفان کا رخ

ورنہ آنسو میں ہی بہہ جائیں گے گھر اب کی برس

☆☆☆

تاریخ انسانیت کا عظیم واقعہ

اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا میں تشریف لانا تاریخ انسانیت کا اتنا عظیم واقعہ ہے کہ اس سے زیادہ عظیم، اس سے پر مسرت، اس سے زیادہ مبارک اور مقدس واقع اس روئے زمین پر پیش نہیں آیا، انسانیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور ملا، آپ کی مقدس شخصت کا برکات نصیب ہوئیں، یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ تاریخ کا اور واقعہ اتنا بڑا نہیں ہوسکتا اور اگر دنیا میں کسی کی یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور ہوتا تو سرکار دو عالم کی یوم پیدائش سے زیادہ کوئی دن اس بات کا مستحق نہیں تھا کہ اس کو منایا جائے اور اس کو عید قرار دیا جائے۔لیکن نبوت کے بعد آپ ۲۳ سال اس دنیا میں تشریف فرما رہے اور ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ آپ نے ۱۲/ ربیع الاول کو یوم پیدائش نہیں منایا بلکہ آپ کے کسی صحابی کے حاشئیہ خیال میں بھی یہ نہیں گزرا کہ چونکہ ۱۲/ ربیع الاول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن ہے اس لئے اس کو کسی خاص طریقے سے منانا چاہیے۔

مرزا محمد کیف

〈افسانہ〉

شـــــادی ساز وفادار بیوی

ترجمانی: ابن اللقاء (لکھنؤ)
تحریر: منیٰ بدوی یعقوب (مصر)

میرے ایک حادثے کا شکار ہونے کے بعد جس میں میں نے اپنی بینائی بھی کھودی دی میری بیوی بالکل ہی بدل گئی، جیسے ہی میرے اور میرے تینوں لڑکوں کے درمیان جھگڑے ہوئے اور میرے ہوش وحواس جاتے رہے وہ مجھے لے کر ایک دوسرے چھوٹے محل میں چلی گئی اور ہم نے اپنا بڑا محل چھوڑ دیا۔

ہاں! اس نے مجھے اپنے بیٹوں اور پوتوں سے محروم کر دیا، میں نے اسے سنگدل جانا، اس نے کہا: ہماری اولاد دولت کی وجہ سے بالکل ہی بدل گئی، اس لیے ہم نے انہیں چھوڑ دیا، کیا آپ اپنا سارا مال انہیں دینے پر راضی ہو جاتے؟ میں نے کہا: باوجود اس کے کہ آخر میں تمام مال انہی لوگوں کے ہوں گے، لیکن میں نے اس کا رد کیا اور ان سب کے ساتھ جھگڑا کیا، انہوں نے کہا: تب میں صحیح ہوں۔

میری بیوی اس نئی زندگی سے بہت خوش تھی، حالانکہ یہ محل بہت چھوٹا تھا، ہر دن وہ گھر سے باہر نکلتی پھر تھوڑی دیر بعد لوٹ آتی تا کہ وہ مجھے ہمارے پڑوس کے محلوں میں رہنے والوں کے بارے میں بتائے، میرا تعارف سمیحہ اور سہام سے ہوا جو کہ بہت باتونی تھی، میری بیوی اس کی باتیں یاد کر کر کے بہت ہنستی تھی، اس نے کہا: ابوسالم! آپ کو پڑوسیوں کے بچوں کو جاننا چاہیئے، وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں میں بھی ان سب سے بے حد محبت کرتی ہوں۔

اس کے اتنے خوش رہنے کے باوجود بھی ہر شب اسے روتے ہوئے سنتا، بیشک وہ سبھی بیٹوں کا مشتاق تھی، لیکن تھی بڑی ضدی، ہم نے مکمل ایک مہینہ اس جگہ پہ گزارا، لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے برسوں بیت گئے ہوں، میں بھی ہر رات اپنے بیٹیوں اور پوتوں کی جدائی میں آنسو بہایا کرتا، ہمیشہ یہ تمنا کرتا کہ کاش میری بینائی لوٹ آئے تا کہ ان سب کے پاس واپس چلا جاؤں۔

ہر روز میری بیوی طلوع آفتاب سے قبل میرا ہاتھ پکڑتی اور ہم محل کے باغ کی طرف نکل پڑتے، وہ باغ کی وصف نگاری کرتے ہوئے کہتی: "یہ باغ بہت خوبصورت ہے، ڈھیر سارے درختوں سے بھرا ہے، بہت سارے پھولوں سے لدا ہے"، ہم ایک بڑے سے درخت کے نیچے بیٹھ جاتے، وہ ہمارے لئے کچھ جوس وغیرہ بناتی، میں کہتا ہے کہ مجھے گرین ٹی چاہیے، ایک پیالی بناؤ دو۔

مجھے اپنی بیوی سے معلوم ہوا کہ میرا بیٹا "سامی" ہر روز اپنے پرسنل ڈرائیور کے ہاتھوں میرے لیے کھانے پینے کی چیزیں بھیجتا ہے، میں نے اس سے کہا کہ تم ہی سنگدل ہو میرے بیٹے تو بے انتہا شفیق و مہربان ہیں، وہ ہنستے ہوئے کہتی: اور آپ ہم سب سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہیں۔

اپنی سنگدلی کے باوجود وہ رات کو مجھ سے باتیں کرتیں تاکہ وہ میری تنہائی کی وحشت کو دور کر سکے، کبھی میں اس کے ساتھ مل کر ہنستا تو کبھی اس سے جھگڑ پڑتا، جب کبھی ہم جھگڑتے تو وہ چند منٹوں کیلئے باہر چلی جاتی پھر پرسکون ہو کر لوٹ آتی، تاکہ وہ پھر سے پڑوس کے بچوں کے بارے میں اپنی گفتگو جاری کر سکے، وہ لوگ کتنے خوش تھے جب اس نے انہیں کینڈی دی تھی۔

ایک روز میری بیوی بہت بیمار پڑ گئی، چل پھر بھی نہیں کر پا رہی تھی، گرچہ میں اس سے ناراض تھا، لیکن اسے اس حالت میں پا کر میں بہت غمگین ہو گیا، میں نے اپنے محل کے پڑوسیوں سے مدد لینے کی سوچی، چنانچہ میں باغ کی طرف نکل پڑا، کافی مرتبہ ٹھوکریں کھانے کے بعد میں ایک لوہے کے دروازے پہ پہنچا، دروازے کو کھولنے کیلئے ٹٹولا تو اس میں بہت سے تالے پڑے تھے، لوٹنا چاہا تو کسی چیز سے ٹکرا کے میں زمین پہ گر پڑا، تھوڑی دیر بعد میں نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن میں نے ایک ہلکی سی روشنی دیکھی، مجھے اپنے ہاتھوں پر کسی چیز کے بہنے کا احساس ہوا، شاید میں زخمی ہو گیا تھا، کچھ لمحے بعد میں نے تعجب سے اپنے اردگرد دیکھا .... میری بینائی واپس آگئی تھی، ہاں! میری بینائی واپس آگئی تھی، لیکن یہ کیا؟ ایک سنسان باغ، اس میں درخت کی کچھ ٹوٹی سوکھی ٹہنیاں، ایک چھوٹا سا پرانا گھر ..... ہم یہاں کیوں ہے؟ آخر ہوا تھا کیا؟ میری بیوی نے کیوں کہا کہ ہم ایک محل میں رہتے ہیں؟

میں نے لوہے کے دروازے کی طرف دیکھا، اپنی بیوی کیلئے کسی پڑوسی یا پڑوسن سے مدد لینے کیلئے میں اس کے قریب پہنچا، تو دیکھا کہ ہم تو صحراء کے بیچ و بیچ رہتے ہیں اور ہمارے آس پڑوس تو کوئی گھر بھی نہیں ہے، میں بھاگا ہوا اپنی بیوی کی پاس گیا، وہ ایک پرانے بوسیدہ بستر پر لیٹی تھی، جو سونے کیا بیٹھنے کے قابل بھی نہ تھا، میری بیوی یہ دیکھ کر کہ میری بینائی واپس آگئی ہی بہت خوش ہوئی اور رونے لگی۔

مجھے اس سے معلوم چلا کہ ہمارے بیٹوں نے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے، ان سب نے مل کر ہمیں اس جگہ پہ قید کر رکھا ہے، تاکہ وہ ہماری دولت کو اپنے نام کر سکے، لیکن میری بیوی .. پیاری بیوی .. عزیز بیوی .. یہ نہیں چاہتی تھی کہ مجھے اس معاملے کی ذرہ برابر بھی بھنک لگے اور میں نابینا میرے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا .... میں وہیں زمین پہ بیٹھ کے رونے لگا، ان لوگوں پر میرے اور اپنی بیچاری والدہ کے ساتھ ایسا برا سلوک کرنا کتنا آسان تھا، کیا ان سب کے دل مر چکے ہیں؟ میری بیوی رونے لگی، اس کے جسم میں شدید تکلیف تھی، کچھ منٹ بعد وہ گر پڑی! اس کی سانس اکھڑ گئی، میری بیوی ظلم کے ہتھوں چڑھ کر مر گئی، میں اسے سینے سے لگا کے رونے لگا ..... میں اسے کیسے سمجھ نہیں پایا اور وہ تھی کہ تنہا عذاب جھیل رہی تھی، اسے کے ساتھ جو

کچھ بھی ہوا اس کے لئے میں اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گا۔

میرا خاص ڈرائیور آیا، یہ وہ دوسرا شخص تھا جسے میری بینائی لوٹنے کی اچانک خبر بھی ہوئی، لیکن میں اس سے جھگڑ پڑا کہ اس نے ان سب معاملے کی مجھے خبر کیوں نہیں کی ..... میں نے اس کے ساتھ مل کر ایک منصوبہ بنایا، چنانچہ وہ میرے لڑکوں کے پاس گیا اور ان سب کو ہم دونوں کی موت کی خبر سنائی، خبر سنتے ہی وہ لوگ دوڑے آئے، جب ان سب کو یہ احساس ہوا کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں، ان لوگوں نے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن جن لوگوں کے ساتھ پہلے ہی میرے ڈرائیور نے معاملہ طے کر لیا تھا وہ لوگ ان سب کی گھات میں بیٹھے ہر جگہ پھیلے پڑے تھے ..... ان لوگوں کو چھوڑ کر میں اپنے بیوی کو قبرستان میں دفنانے نکل پڑا، ان لوگ نے ان سب کو وہیں ایک چھوٹے سے گھر میں ایک ہفتے تک کسی طرح رکھے رکھا، اس درمیان میں نے اپنا بڑا محل فروخت کر دیا، جب میرے بیٹوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اور اپنے اپنے راستے لگ گئے تو میں نے ان سب کے کئے ناقابل معافی جرم کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔

مجھے اب صرف میری بیوی یاد ہے ..... وہ مہربان عورت جو میرے لئے گھنے اندھیرے میں روشن خواب بنتی تھی۔

☆☆☆

تحریک اسلامی جس تبدیلی کا داعی ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ جہاں پوری استقامت اور استقلال کے ساتھ اسلام کی اصولی دعوت پیش کرتی رہے، وہیں اپنے زمان ومکان کے اہم نظریاتی، سماجی و سیاسی رجحانات سے ضرور تعرض کرے، اور اپنے مخاطب سماج کے ساتھ خیر خواہانہ رابطے اور اس میں رائج خیالات کیساتھ بامقصد مکالمے کا عمل جاری رکھے۔

(سید سعادت اللہ حسینی)

معجزہ، کرامت، استدراج

منظر خیامی، باغ مانڈلا، کوکن، مہاراشٹر

ہمارا آپ کا کامل ایمان ہے۔اسم با مسمیٰ ہے۔جب ہم کتابوں میں اسم با مسمیٰ لکھا ہوا پڑھتے ہیں یا تعلیم یافتہ حضرات لکھتے ہیں اسے پڑھتے ہوئے ایک عام شخص جو خاطر خواہ تعلیم نہیں حاصل کر سکا. اور نہ ہی وہ لفظی دور بینی کا ملکہ رکھتا ہے۔ایسے شخص کے لیے اسم با مسمیٰ کو سمجھنا مسئلہ بن جاتا ہے۔اسی لیے اس کی سادہ لفظوں میں وضاحت کیا ہوگی؟ . اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ اور عام فہم لفظوں کے سہارے اسی بات کو تمہید میں اختصار سے رقم کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ اسم با مسمیٰ . کو سمجھنے کی جو کوشش ہوگی اسی سے۔معجزہ، کرامت، اور استدراج کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔جیسا کہ خاص و عام سبھی جانتے ہیں کہ اسم کا مترادف لفظ نام ہے۔یعنی ایک نام۔اور اسم با مسمیٰ کا لغتی مفہوم یا معنی نام سے موسوم کیا گیا۔لفظ با مسمیٰ آسانی سے اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اسم یعنی نام ہے۔اس معانی کے موافق کسی بشر کے صفات ہو تو ایسے شخص کے لیے اہل علم و قلم اسم با مسمیٰ لکھتے ہیں۔کہ فلاں شخص کا اسم۔اسم با مسمیٰ ہے۔یعنی جیسے اس کے نام کے معانی ہیں۔ویسے ہی اس کے گُن ہیں یعنی اوصاف بھی ہیں۔

ہم نے ابتدا میں۔اسم اللہ رقم کیا اظہر من الشّمس بات یہ ہے کہ اللہ کے معنی کو دنیا کا ہر ادنا اعلا بشر جانتا ہے کہ ہر ہر شے کا تخلیق کرنے والا اور زمین و آسمان کی ہر ہر شے کا مالک و مختار۔اب ؟ کی تعریف و توصیف کی تفصیل میں ہم یہاں کرنا چاہیں تو یقیناً زندگی کم پڑے گی۔بلا شبہ یہ حقیقت ہے، صداقت ہے کہ تمام اشجار قلم بنائیں اور جملہ سمندروں کا سارا پانی روشنائی بنے اور اللہ کی حمد و ثنا، تعریف و توصیف رقم کرنا چاہیں تو یہ اشجار قلم کے لیے کم اور آبِ سمندر نا کافی ہوگا۔اسمِ اللہ اسم با مسمیٰ ہے۔اب ہمارا خیال ہے اس تمہید سے اسم با مسمیٰ . کا مفہوم کچھ حد سمجھ سکتے ہیں۔کچھ حد تک اس لیے کہ اگر ہم اور آپ اسم کی تفصیل میں جائیں اور اسم با مسمیٰ کی تشریح کرنا چاہیں تو پھر ہمیں پہلے اسم کی تشریح کے ساتھ اسم با مسمیٰ تک پہنچنے کی کوشش کرنی ہوگی۔یعنی اسم کی بہت سی تفصیلات کی چھان پھٹک ضروری ہوگی۔مثلاً

اسم اعظم، اسم ذات، اسم جمالی، اسم جلالی، اسم جامد، اسم فاعل، اسم مفعول، اسم صفت، اسم جنس، اسم ضمیر، اسم فرضی، اسم عدد، اسم ظرف،، اسم معاوضہ، اسم حالیہ، اسم معرفہ، اسم آلہ، اسم استفہام، اسم تصغیر، اسم موصول، اسم نکرہ، اسم مکبر، اسم اشارہ، اور اسی طرح

کے کئیں ایک بہت سے اسما کی تفصیلات سے ہوتے ہوئے اسم بامسمیٰ تک پہنچنا ہوگا۔ ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ جو میرے اور مجھ جیسے کم علم اور تھوڑے سے علم پہ خود کو کسی قابل سمجھنے والے کے بس کی بات ہے ہی نہیں۔ مذہبی علما و مفتیان اس پہ بہتر تفصیل سے لکھ سکتے ہیں اور لکھتے بھی رہتے ہیں۔ تاہم مقدور بھر ہم نے تمہید میں کچھ جاننے لکھنے کی سعی کی۔

آیئے اب اپنے عنوان کی طرف رخ کرتے ہیں یعنی۔ معجزہ، کرامت، استدراج کو سمجھنے کی سعیِ جمیلہ کرتے ہیں۔

دوستو! مغربی علوم نے بڑے بڑے رازہائے پوشیدہ کے انکشافات کئے ہیں۔ اور زیرِ زمین سے فلک بلندیوں تک تحقیقات کا ماحول بنا رکھا ہے۔ یہ علم و عمل کی طاقت ہے۔ اسی لیے ہمیں بھی ہماری قوم اور ہمارے معاشرہ کو علم کی اہمیت کا جاننا بہت ضروری ہے۔ ہوا یہ ہے ہم تھوڑے سے علم پہ اترانے کے عادی ہوگئے ہیں۔ تحقیق اور عمل تو جیسے ہم بھلا چکے ہیں۔ مگر پھر بھی ہماری قوم کے چند ایک ایسے دانش مند جو اپنی علمی عقلی و عملی صلاحیتوں سے آج عظیم المرتبت بھی ہیں اور ہماری رہنمائی کا صادق جذبہ رکھتے ہیں۔ بشرطے کہ ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ علوم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ معجزہ، کرامت، استدراج۔ ان کی تفریق کا علم بھی لازمی ہے۔ ہوا یہ ہے کہ مغربی علم سیا یک حد دنیا مغلوب ہوگئی ہے۔ اس میں برائی بھی نہیں۔ علم ہر طرح کا سیکھنا چاہیے چاہے وہ کسی زبان سے ملے۔ لیکن مثبت اور منفی پہلوؤں پہ نگاہ بھی بہت ضروری ہے۔ چاقو باورچی بھی استعمال کرتا ہے اور ڈاکو بھی۔ بظاہر چاقو بری چیز نہیں طریقہ استعمال عقل پہ منحصر ہے۔ یہی حال مثبت منفی اثرات کا ہے۔ مغربی علوم کو جو براہ راست ان کی ہی زبان میں پڑھتے ہیں یا ہم تک ہمارے اہل علم تراجم کی شکل میں جو کچھ ہم تک پہنچاتے ہیں وہ اس بات سے انکاری نہیں ہوسکتے کہ معجزہ، کرامت، اور استدراج کے لیے انگریزی میں ایک ہی اصطلاح یا لفظ "مراکل "(Miracle) مستعمل ہے۔ جو فرانسیسی زبان سے یونان (لاتینی) تک پہنچا ہے۔ بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ بہت سے دانش مند ایک ہی لفظ مراکل سب پہ استعمال کرنے سے معجزہ، کرامت، اور استدراج کو کما حقہ سمجھ نہیں سکے۔ اور مراکل (Miracle) اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔۔ حالاں کہ ان کی مذہبی کتابیں مراکل سے بھری پڑی ہیں۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ ہمارے یہاں اس مراکل کو سمجھنے میں مغربی اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے قلم کار معجزہ۔ استدراج اور کرامت کو ہر جگہ معجزہ لکھتے ہیں۔ کچھ نام نہاد شعرا یکرام کے یہاں بھی یہ امتیاز نظر نہیں آتا۔

معجزہ کا تعلق انبیا کرام سے ہے۔ جو انسانی فطرت کے معمول سے ہٹ کر حیرت انگیز شے ہوتی ہے۔ انسانی عقل کو معجزہ تہہ تک پہنچنے میں عاجز کر دیتا ہے۔ جیسے انبیا کرام کے معجزات ہمارے سامنے ہیں۔ جو ساری دنیا کو حیرت میں مبتلا کرتے ہیں۔ مگر اہل ایمان اسے تسلیم کرتے ہیں کہ قادر مطلق جو چاہے کرسکتا ہے۔ پیغمبروں کو معجزوں سے نوازتا ہے۔ مثلاً۔ عصا کی ضرب سے مابین دریا راستہ بننا، مچھلی کے شکم میں ایک مدت تک رہنا، چرند، پرند حیوانات کی بولیاں سمجھنا، چاند کا دو حصے ہونا یہ سب . اور بہت سے ایسے انبیا کے معجزات ہیں۔ معجزاتِ انبیا خدا کی قدرت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور معجزات میں ہماری نگاہ میں یہ معجزہ اہم ہے کہ آپ پر بزریعہ وحی آسمانی کتاب (قرآن) نازل ہوئی اور صدیوں بلاتفریق زیروزبر من و عن سینہ بہ سینہ منتقل ہورہی ہے اور دنیا میں یہ واحد کتاب ایسی ہے جو ضخیم ہونے کے باوجود حرف حرف کے ساتھ لاکھوں اہل ایمان کو ازبر ہے۔ جو حافظ

قرآن کہلاتے ہیں۔
کرامت کا تعلق اللہ کے اولیا نیک بندوں سے ہے۔فرق یہ ہے انبیا کو غیر ارادی طور پہ معجزہ . من جانب اللہ خود عطا ہوتا ہے۔اور کرامات . کے کارنامے مسلسل عبادات وریاضت سے حاصل کیے جاتے ہیں۔روحانی قوتیں متحرک ہوکر کچھ کرامت ظاہر ہوتی ہے۔
استدراج غیر مذاہب کے مگن تپیا (مشقت کی عبادت) پسند لوگوں سے کوئی چیز خلاف معمول یا خلاف عقل ظاہر تو اسے استدراج کہا جاتا ہے۔معجزہ کے علاوہ کرامات واستدراج کا تعلق عقل جیسی عطا کی ہوئی قدرتی نعمت روحانی۔قوت اور ریاضت سے حاصل کرنے کی شی ہے اس کو پانے یا حاصل کرنے میں برسوں تک کی ریاضت درکار ہوتی ہے۔پھر کامیابی ملنا نہ ملنا مقدر کی بات۔اکثر ناکامی ہی ملتی ہے۔استدراج کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔۔البتہ معجزہ من جانب اللہ خود عطا ہوتا ہے۔
اب اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا میں نے انسان کو اپنی فطرت شکل وشمائل پہ تخلیق کیا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم " اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کو کل اختیارات حاصل ہے۔بل کہ اس کے ایمان کی کسوٹی اس بات پہ ہے کہ جو اختیارات،عقل،سوجھ بوجھ اور طاقت،نعمت۔اعضائے جسم کی آزادیاں دی گئیں ہیں اسے انسان ٹھیک ٹھیک استعمال کریں۔۔اللہ رحیم ہے آپ بھی اللہ کی مخلوق پہ رحم کریں ورنہ انسان۔"ان کان ظلماً جھولا "بھی ہے۔اللہ بے نیاز ہے اسے کسی شے کی حرص نہیں۔انسان بھی بے نیازی اپنائے ورنہ انسان "ان الانسان خلق ھلوعا" بھی ہے۔
انسان طاقت کا بے جا استعمال نہ کرے۔تکبر مغروریت سے دور رہے جو اللہ نے مقدور بھر طاقت دی ہے اس کا درست استعمال کرے۔ورنہ انسان "خلق الانسان ضعیفا " بھی ہے یعنی اللہ کے سامنے کم زورو ناتواں ہے۔
انسان سرکشی اور نافرمانی سے باز رہے۔بخشی گئی عقل کا صحیح استعمال کرے ورنہ انسان"ان الانسان لیطغیٰ " بھی ہے۔
الغرض یہ ایسا موضوع ہے جو علما ومفتیانِ ملت کے قلم اور علوم سے ہی اس پہ مفصل لکھا جا سکتا ہے۔لکھا گیا ہے اور لکھا جائے گا۔ہمارا مقصد۔معجزہ وکرامت،استدراج کی تفریق کو سمجھنا اور سمجھانا تھا۔اس میں کس حد تک کامیابی ملی اس کا فیصلہ قارئین ہی بہتر کر سکتے ہیں۔مگر ایک شخص بھی اگر ہماری تحریر سے کچھ سمجھ سیکھ سکا تو ہمارے لیے وہ کوہ نور کی قیمت سے زیادہ قیمتی تحفہ ہے۔

☆☆☆

سراغ زندگی محض ویک رسالہ ہی نہیں ایک تحریک بھی ہے،
اس لئے اس کی نشرواشاعت میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

عکس ایام

اظفر منصور

مولانا کلیم صدیقی پولیس حراست میں۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کہ زعفرانیت کا غلبہ ہے، یہ کوئی آسان چیلنج نہیں تھا، مگر پھر بھی پھلت سے تعلق رکھنے والے اس عظیم درویش نے چیلنج قبول کیا، اور ملک میں اشاعت اسلام کا نازک بیڑا اٹھایا، یوں تو ملک میں کئی ادارے اور شخصیات ہیں جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں مگر مولانا کلیم صدیقی صاحب ان سب میں منفرد تھے، ان کا کام ایمان کی تازگی و مضبوطی نہیں بلکہ غیر ایمان کو ایمان کی دولت سے نوازنا تھا، اسلام میں دلچسپی رکھنے والوں کے دلوں کو مزید شفاف بنانا تھا، مسلمانوں سے متاثر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا عکس جمیل دکھانا تھا، واقعی یہ بڑا نازک کام تھا، یہ تو ایوان باطل کو کھوکھلا کرنے والا کام تھا، یہ کام ماضی میں انبیاء کے سپرد ہوا کرتا تھا، وہ ستائے جاتے تھے، تڑپائے جاتے تھے، رلائے جاتے تھے، مگر بہر خیر وہ یہ کام کرتے تھے، جیل ہو یا سماجی بائیکاٹ دعوت کا کام جاری رکھا، آخر دنیا نے دیکھا کہ انقلاب آیا، تو مولانا کلیم صدیقی صاحب بھی اسی عظیم کام کے عوض پس زنداں گئے ہیں، مگر اس بار دل چھلنی ہے، آنکھیں رونا چاہ رہی ہیں مگر آنسو خشک ہو چکے ہیں، مولانا کی تصویر اور اس پر چڑھنے والا یہ کیپشن کہ عمر قید کی سزا ہو گئی ہے ایک ٹیس بن کر بار بار جھنجھوڑ رہا ہے۔

پھر مولانا ہی کی اس آڈیو پیغام سے دل کو تسلی ملتی ہے جو آپ نے اعلان سزا والی رات اپنے محبین کو بھجوائی تھی۔ بتاریخ 11 ستمبر 2024ء ظالموں نے جبراً تبدیلی مذہب کا کھوکھلا الزام لگا کر 14 ساتھیوں کے ساتھ پس زنداں ڈال دیا، بھلا یہ مولوی اتنی ہمت کہاں سے لائے گا کہ ہزاروں ہزار کے ساتھ زبردستی کرے گا؟ اتنی دولت بھی کہاں سے آئی گی کہ وہ مذہب وعقیدے کو ہی خرید لے؟ یقیناً یہ ظالموں کا سفید الزام ہے، اور ظلمت شب کی وہ کہانی ہے جسے حقیقت کا رنگ دینے کی سالوں سے کوشش کی گئی تھی۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اکبر الہ آبادی

☆☆☆

حسن نصر اللہ بھی اسرائیلی حملے میں شہید!

28 ستمبر کا دن اپنے جلو میں ایک ایسی خبر لایا جس سے تمام اہل دل دہل کر رہ گئے، اہل فلسطین کے جائز حقوق کی بازیابی کے لیے کوشاں تحریک حماس کی معاون و مددگار تنظیم حزب اللہ (ایران) کے president جناب حسن نصر اللہ اسرائیلی حملے میں مارے گئے، یہ خبر پورے عالم اسلام خصوصاً اہل فلسطین کے لیے نہایت تکلیف دہ اور مایوس کن تھی، ابھی گذشتہ ماہ حماس لیڈر شیخ اسماعیل ہانیہ کی شہادت اور اب حزب اللہ لیڈر کی شہادت، یقیناً یہ خبر کافی تھی کہ پورے انصاف پسند ممالک کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہی ان تنظیموں کے لیڈر کے پے در پے قتل کے بعد ہی حوصلے پست، اور عزم و ارادے سرد لڑ جاتے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا، بلکہ جذبہ حریت کی چنگاری اب مزید بھڑک اٹھی۔

1960ء میں مشرقی بیروت کے علاقہ بورجی جمود میں پیدا ہونے والے حسن نصر اللہ نے 1992ء میں حزب اللہ قیادت سنبھالتے ہی حزب اللہ کو ایک طاقتور سیاسی اور عسکری قوت میں تبدیل کیا۔ حسن نصر اللہ زمانہ طالب علمی سے ہی عسکری تحریکات سے وابستہ رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ 1978ء میں انہیں عراق سے بے دخل کیا گیا، جس کے بعد وہ لبنان آئے اور یہیں امل نامی تحریک سے تعلق قائم کیا، 1982ء میں امل تحریک سے نکل کر حزب اللہ سے وابستہ ہوگئے، جہاں 1992 میں عباس الموسوی کے اسرائیلی حملے میں قتل کے بعد انہیں (حسن نصر اللہ) کو حزب اللہ کا سکریٹری مقرر کیا گیا، حسن نصر اللہ ایک جانباز آدمی تھے، جنہوں نے روز اول سے اسرائیل کی ناک میں دم کیا ہوا تھا، کء مرتبہ اسرائیل کو حزب اللہ کے اس کمانڈر کے ہاتھوں شرمساری کا سامنا کرنا پڑا۔ البتہ انہیں حسن نصر اللہ کی شخصیت کا ایک پہلو نہایت تکلیف دہ اور برانگیختہ کرنے والا ہے، کیونکہ ملک شام میں سنی مسلمانوں کے قتلِ عام نیز ایک اسلامی ریاست کے اتھل پتھل کی پوری سازش میں حزب اللہ کا ہاتھ بتایا جاتا ہے، انہیں پر یہ بھی الزام ہے کہ انہوں نے شیعوں کی حفاظت کے لیے جہاں سنی مسلمانوں کی جانوں کو بے دریغ نقصان پہنچایا وہیں ایران کے مفادات میں بھی خوب کیا۔ بقیہ واللہ اعلم

(نوٹ! یہ تمام معلومات مختلف ویب سائٹس سے حاصل کی گئی)

☆☆☆

صنعت کار رتن ٹاٹا۔

ہندوستانی معیشت کی ایک نمایاں، معروف اور عظیم شخصیت رتن ٹاٹا اپنی چھیاسی سالہ مدت 9 اکتوبر کی شب پوری کر کے 10 اکتوبر کو نذر آتش ہو چکے ہیں، مذہب کے لحاظ سے پارسی رتن ٹاٹا جہاں انڈین اکنامک سسٹم پر مثبت طور پر اثر انداز ہوئے وہیں ان کی کمپنی نے اسرائیل جیسے ممالک کو اپنا تعاون دے کر پس پردہ نہتے فلسطینیوں پر ظلم بھی کیا، موت کے بعد پے در پے جو رازہائے حیات کھل کر سامنے آئے ہیں، وہیں حیرت زدہ کرنے والے ہیں، کیونکہ ان کی شخصیت کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہندوستان کے امیر ترین شخص ہونے کے باوجود ہمیشہ سادگی، محبت اور اخوت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ مگر فلسطین و اسرائیل مسئلے پر ان کا رویہ قابل مذمت بھی تھا۔

☆☆☆

مسلم مقتول نمبر ایک (ا) بابا صدیقی!

ملک میں مسلم سیاسی لیڈران کی فہرست یوں تو کافی لمبی ہو چکی ہے، مگر جسطرح سے ان پراسرار موتوں کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں وہ نہایت خوفناک ہیں، عتیق احمد، مختار انصاری و دیگر کے بعد اب مشہور سیاست دان و سیلیبریٹی بابا صدیقی بھی دہشت گردوں کے نشانہ پہ آ چکے ہیں۔

ضیاء الدین عرف بابا صدیقی 1999، 2004 اور 2009 میں لگاتار تین بار ایم ایل اے رہے، خوراک اور سول سپلائیز، لیبر اور ایف ڈی اے کے وزیر مملکت کے طور پر بھی کام کیا تھا۔ 8 فروری 2024 کو انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس پارٹی کی بنیادی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ بعد میں 12 فروری 2024 کو اجیت پوار کی قیادت والی نیشنلسٹ کانگریس پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ انہیں سلمان خان اور شاہ رخ خان کا دوست سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں ستاروں کے درمیان ایک مرتبہ پھر سے دوستی کروانے والے بابا صدیقی ہی تھے۔ ہر سال ان کی افطار پارٹی میں مشہور فلمی ستارے شرکت کیا کرتے تھے۔ کہا جا رہا ہے کہ انہیں قتل کروانے میں لارینس بشنوئی گروپ کا ہاتھ ہے، جس کا لیڈر جیل میں بیٹھ کر غریبوں اور بے روزگاروں کے جذبات کا فائدہ اٹھا کر ان سے اسطرح کے جرائم کراتا ہے۔ کیونکہ جو لوگ اب تک گرفتار کئے گئے ہیں وہ معاشی پس منظر کے لحاظ سے ایسے ہی کمزور طبقات کے ملے ہیں۔ جس سے یہ خدشہ مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔

بہر حال ملک میں اس طرح واردات اب رکنے چاہئے، حکومت کو قوانین کی پاسداری کرنے والے اداروں کو مضبوط کرنا و آزاد کرنا چاہئے، ورنہ مسئلہ اسی طرح بگڑتا رہے گا۔

☆☆☆

آپ کے خطوط و پیغامات

تبصرہ: سید سرفراز احمد

ماہ نامہ سراغ زندگی لکھنو اگست کا شمارہ پی ڈی ایف کی شکل میں جب پایا تو سرورق دیکھ کر پڑھنے کی چاشنی بڑھی وہ اس لیئے کہ سرورق پر شہید اسماعیل ہنیہ کی تصویر تھی پھر میں نے فہرست مضامین کو ٹٹولا تو ہمہ اقسام کے عناوین کو پایا جس میں دینی علمی فکری انقلابی و سیاسی کے علاوہ سلگتے مسائل پر بہترین مضامین بطور خاص سیاسی مضامین کو تلخ تلخ سفر کا جو نام دیا گیا یہ ایک منفردانہ خصوصیت ہے جہاں تک میرا صحافتی تجربہ ہے وہ یہ کہ کسی بھی جریدے ہفتہ وار یا ماہ نامہ کی اصل روح اور جان اداریہ ہوتا ہے جو رواں ہفتے اور ماہ میں ہونے والے اصل مسائل کی عکاسی پیش کی جاتی ہے اس ماہ نامے کے اداریہ کا میں نے مطالعہ کیا جو یقیناً اس ماہ نامے کی روح کے مترادف نظر آیا جس کے بعد میں نے اس سراغ زندگی کے نائب مدیر اظفر منصور سے رابطہ کیا تو مجھے تمام تر تفصیلات سے واقف کروایا اور ان ہی سے پتہ چلا کہ اس ماہ نامے کو تین سال سے پی ڈی ایف کی شکل میں آن لائن نشر کیا جارہا ہے اور ان شاء اللہ عنقریب یہ پرنٹ بھی نکلنے والا ہے اس ماہ نامے کی جو ٹیم ہے وہ نوجوانوں پر مشتمل ہے جن کے علمی دوست ہونے کا یہ کھلا ثبوت ہے اس ماہ نامے کیمدیر فرحان وسیم نائب مدیر اظفر منصور معاون مدیر محمد عادل معاذ معاون عبداللہ ثاقب جو تمام سوشیل میڈیا سے وابستہ ہیں اور اپنے اپنے تبصرے دینے میں بھی یہ کسی سے کم نہیں ہے ویسے موجودہ دور میں علمی دوستی کہاں دیکھنے کو مل رہی ہے اور نہ علمی ہفتہ وار نہ ماہ نامے نظر آرہے ہیں اگر کوئی یہ خدمات انجام دے رہا ہو تو یہ اردو کی بقاء اور اس کی خدمت کرنیکا ایک بہترین کام ہے میں اس بہانے سراغ زندگی کی ٹیم سے صرف ایک گذارش کرتا ہوں کہ اس ماہ نامے میں ایک دو تین صفحات کو بچوں کیلئے مختص کریں وہ اس لیئے کہ بچوں کے لیئے ان کی کہانیاں کوئز مقابلے یا کوئی مطالعاتی مواد فراہم کرتے ہوئے تحریری مقابلے رکھے جائیں تو اس سے دو فائدے ہونگے ایک تو طلبہ کی کثیر تعداد اس ماہ نامے سے جڑے گی دوسرا ان کے اندر مطالعے کی دلچسپی پیدا ہوگی بہر حال ایسے علمی نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور ہر طرح سے تعاون کرنا ہم بڑوں کی زمہ داری ہے میں سراغ زندگی کی پوری ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور سراغ زندگی کے مستقبل کے لیئے اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس ماہ نامے کو منزل بہ منزل ترقی عطا کرے۔ آمین ☆☆☆

سید احمد

سوشل میڈیا کے شیوع اور ترسیل علم کے تیز طرار ذرائع وجود میں آنے کی وجہ سے، رسالوں، ماہناموں، اخبارات اور جرائید کی جانب عوامی رجحان بہت کم ہو گیا ہے۔

رجحانات اور دلچسپیوں کی یہ تبدیلی ایک ایسا موضوع ہے جو بہت سے اطراف و جوانب رکھتا ہے۔ اور اس کے ہر پہلو کا جائزہ لینے کے لیے ایک تفصیلی تحریر درکار ہے۔ خدا کی توفیق شامل حال ہو تو کبھی اس پر گفتگو کی جائے، لیکن اتنا بہرحال ضرور ہے برق رفتار کے ٹکنالوجی اور ذرائع ابلاغ کے باوجود رسالوں اور ماہناموں کی افادیت کا بالکلیہ انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ رسالے اور ماہنامے ہمارے ماضی کی جھلک اور تہذیبی اقدار کا پرتو ہوا کرتے ہیں۔ ندوۃ العلما کے کچھ طلبا اور نو فاضلین نے مل کر ''سراغ زندگی'' کے نام سے ایک نئے ماہنامے کا آغاز کیا ہے، جو خوش کن بھی ہے اور امید افزا بھی۔ نئی نسل میں ایسے باذوق طلبا و فضلا بے تحاشہ حوصلہ افزائی اور داد کے مستحق ہیں۔ خدا انہیں سرخرو فرمائے۔

☆☆☆

نورالقمر ندوی

بسم الله الرحمٰن الرحيم

ماشاء الله بارك الله لكم

پہلی بار یہ رسالہ سامنے آیا۔ رسالہ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی، منتخب جامع چنیدہ اور بہترین مضامین کا مجموعہ ہے۔ حالات حاضرہ کے لحاظ سے پسند کیا جانے والا رسالہ ہے، اللہ آپ سب کو خوب ترقیات سے نوازے۔

معذرت! اس میں Border (حاشیہ) کا کلر بہت Bold ہو گیا ہے اس سے پڑھنے والوں کے لئے ذرا سی دقت اور تھوڑا بے ڈھب بھی لگ رہا ہے، (مجھے بھی اچھا نہیں لگا)۔

میری رائے اس میں unknown لوگوں کی رائے، خطوط یا پھر مشورے کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ جس کے ذریعے امید ہے کہ آپ کو نئی چیزوں کا سامنا بھی ہوگا جو کہ رسالے کے لئے بڑا مفید ہو سکتا ہے۔ اور قاری کے لئے بھی۔ والسلام

جزاک اللہ خیرا! آپ نے سراغ زندگی کو علمی و تنقیدی نگاہ سے دیکھا اور پڑھا، پھر ادارے کے نام قابل توجہ امور کی جانب رہنمائی فرماتے ہوئے گرامی نامہ ارسال کیا۔ [ادارہ]

منظر خیامی، کوکن ۔ مہاراشٹر

سلام ورحمت!

سراجِ زندگی کے مطالعے کے دوران میں کیا بتاوں اس قدر علمی سرور اور لطفِ الفاظ میں کھو گیا کہ ہر قلم۔کار کی تحریر کی لفظی شعاعوں میں دور تک تخیلات تنویر کی جھلک اور جھماکوں میں نظر سے قلب تک اور قلب کی پاکیزہ کیفیت سے روحانی سرشاری محسوس کرتا رہا۔ان دنوں علمی و ادبی،ایسے جملوں کے اوصاف کی نفاست خال خال اور تشہیرِ اظہار کی رعنائی دکھائی دیتی ہے۔ یہ سراجِ زندگی واقعی خوب صورت قلمی شاہ کار ہے۔صفحہ درصفحہ قاری کے لیے مجلّہ تخلیقی تہذیب اور معانی کی مسرت پہنچاتا ہے۔ اس شمارے میں مع مدیران سبھی مضمون نویسوں (کس کس کا نام لکھوں) نے اسلوب نگارش، دلنشیں انداز اور معانی آفرینی کا گلشن سجایا ہے۔اور آپ نے بڑی نفاست اور ریاضت ومحنت سے ترتیب سے مجلّے کی زینت کو بلا شبہ پرکیف اور دیدہ زیب بنایا ہے۔الحمدللہ علاقائی برقی انجمنوں اور خاص دوستوں کو راقم الحروف نے سراجِ زندگی کیا ترسیل کیا۔تھوڑی ہی دیر میں چند ایک کی جانب سے بنامِ کمنٹ خوب پزرائی ہو رہی ہے۔مزید کامرانی و علمی سفر کی ہر آسانی کے لیے دل کی گہرائی سے دعائیں دعائیں اور خوب دعائیں۔

والسلام علیک!

آپ کا یہ جامع و مانع تبصرہ اور پھر اس میں سراغ کو سراج بنانے کی ادبی غلطی نے ہمارے حوصلے کو مہمیز لگانے کا کام کیا ہے، یہ غلطی نہیں بلکہ آپ کی محبت کا وہ جذبہ ہے جسے آپ سراغ زندگی کی شکل میں مثل سراج منیر دیکھنا چاہتے ہیں۔ جزاک اللہ خیرا

سلمان خلیل سنت کبیر نگر یوپی

اردو رسالہ ماہنامہ سراغ زندگی پہلے شاہ سے ہم کلام ہونے کا موقع ملا، آپ کے رسالہ میں ادباء شعراء اور اہل قلم کا ایک کارواں اپنی تمام تر تابانیوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ دکھائی دے رہا ہے، رسالہ سراغ زندگی سے علمی تشنگی بھی بجھے گی، اور گھر گھر اس کی روشنی بھی پھیلے گی، اس مجلّہ کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا یہ رسالہ دیگر رسالوں سے منفرد اپنے اسلوبی انداز کی وجہ سے اس لئے بھی ہے کہ اس کے مشمولات بہت پرکشش ہیں، الغرض یہ رسالہ اپنے دامن میں مزہبی، علمی، عملی، ملی، اور ادبی افکار کو سمیٹے ہوئے اردو زبان کا ایک درخشاں ستارہ نظر آتا ہے، اللہ اس رسالہ کو عالمی سطح پر پہونچا دے اور یہ رسالہ اپنی چمک دمک بڑھاتا جائے

محمد جنید

ماہنامہ سراغ زندگی سراسر نوجوان طبقے کی کوششوں کا ثمرہ ہے، مشمولات دیکھیے اور حوصلہ افزائی کیجیے کہ اکابر اپنے اصاغر کی حوصلہ افزائی کرکے انہیں قابل بنا سکتے ہیں۔

SURAAG E ZINDAGI

ماہنامہ

سراغ زندگی

مدیر:
فرحان وسیم